

نَضْرَ اللَّهُ أَمْرًا أَسْعَ مِنْ أَحَدِيَّتًا فَحَفَظَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
اللَّهُ تَزَلَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ

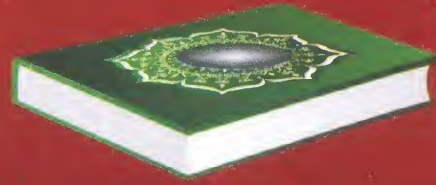


شماره نمبر
111

ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ
نومبر ۲۰۱۳ء

الحديث

حضرو



کیا تراویح کے بارے میں ابن ہمام حنفی

کا قول شاذ ہے؟

غلام رسول سعیدی: ایک موضوع روایت

اور قربانی کا وجوب؟

أصول حدیث اور بریلویت

اشرف آصف جلالی بریلوی اور ضعیف قصہ



مکتبہ سیدنا محمد

حضرو انگ: پاکستان

یا اللہ! استاذ محترم کو صحت کاملہ عطا فرما۔ آمین

تقریباً ڈیڑھ ماہ سے فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ شدید بیمار ہیں اور شفا انٹر نیشنل ہسپتال اسلام آباد میں زیر علاج ہیں۔ اس دوران آپ کی صحت اور بیماری میں نشیب و فراز رہا، کبھی بیماری کی شدت بڑھ جاتی ہے تو کبھی صحت یابی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔

ہم اللہ کے حضور دعا گو ہیں کہ ہمارے استاذ محترم کو شفا عجلہ کاملہ عطا فرمائے، آپ کا سایہ عاطفت ہم پر قائم رہے، علم و آگہی کا یہ آفتاب سدا چمکتا رہے اور ان کے ذریعے سے جہالت کی اندھیر مگریوں میں اجالا ہوتا رہے۔ آمین

ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ شاید ہی کوئی علاقہ و شہر ایسا ہو جہاں شیخ محترم حفظہ اللہ کی صحت یابی کے لئے دعائیں نہ ہو رہی ہوں اور دعاؤں کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہنا چاہیے، لہذا تمام اہل اسلام سے پُر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی دعاؤں میں محدث العصر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کو ضرور یاد رکھیں۔

ہم ان علمائے کرام کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے ہسپتال میں آکر تیمارداری کے ساتھ ساتھ دعاؤں کی صورت میں دلی بہدروی کا اظہار کیا۔ جزا ہم اللہ خیراً

تنبیہ: بعض شریکین کی طرف سے ایسی افواہ اڑائی گئی تھی کہ اسے لکھتے ہوئے بھی ہاتھ کانپتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے اور ہمارے شیخ حفظہ اللہ کو حاسدوں کے حسد، شریروں کے شر اور معاندین کے عناد سے محفوظ رکھے اور انھیں صحت و عافیت والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ آمین

واضح رہے کہ سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے دوسروں تک پہنچانا مذموم عمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔“ (صحیح مسلم: ۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

111

مکتبہ الحدیث

الاحیاء الاحیاء

حضرت

حافظ زبیر علی زئی

حافظ زبیر علی زئی

ابو جابر عبد اللہ و اما نوئی	ابو خالد شاکر
محمد سرور عمام	محمد راشد کمال
محمد زبیر صادق آبادی	محمد صدیق رضا

جلد: 10 ذوالحجہ 1433ھ نومبر 2012ء شمارہ: 11

اس شمارے میں

- فقہ الحدیث..... حافظ زبیر علی زئی 2
- توضیح الاحکام..... حافظ زبیر علی زئی 7
- کیا تراویح کے بارے میں ابن ہمام حنفی کا قول ہشام ہے؟
- حافظ زبیر علی زئی 14
- غلام رسول سعیدی: ایک موضوع روایت اور قربانی کا
- دجوب؟..... حافظ زبیر علی زئی 18
- اصول حدیث اور بریلویت..... ابو عبد اللہ شعیب محمد 32
- اشرف آصف جلالی بریلوی اور ضعیف قصہ
- نویہ شرکت 44
- امام عبدالرزاق اور فضیلت شیخین علیہ السلام..... ابو سعید 49

فی شمارہ: 25 روپے
سالانہ: 400 روپے
مع محصول ڈاک پاکستان

مکتبہ الحدیث
حضرت علیہ السلام
حافظ شیر محمد
0300-5288783
مکتبہ الحدیث
حضرت علیہ السلام

0301-8566571

اشعار الصالح

اشعار الصالح في تحقيق مشقة الصالح

الفصل الثاني

٤٤١: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلُ وَلَا يَذْكُرُ احْتِلَامًا، قَالَ: ((يَغْتَسِلُ)) وَعَنِ الرَّجُلِ الَّذِي يَرَى أَنَّهُ قَدْ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ بَلَلًا، قَالَ: ((لَا غُسْلَ عَلَيْهِ)) قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ تَرَى ذَلِكَ غُسْلٌ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، إِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ)).
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ دَاوُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ، وَابْنُ مَاجَةَ، إِلَى قَوْلِهِ: ((لَا غُسْلَ عَلَيْهِ)).

عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو (اپنے کپڑوں یا جسم پر تری) نمی کا نشان دیکھتا ہے اور اسے احتلام (ہونا) یاد نہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ غسل کرے۔

اور آپ سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو سمجھے کہ اسے احتلام ہوا ہے اور اس نے نمی کا نشان نہیں پایا؟ آپ نے فرمایا: اس پر غسل (واجب) نہیں۔
ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: اگر عورت ایسا دیکھے تو کیا اس پر بھی غسل ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، عورتیں (طبیعت و خلقت میں) مردوں کی طرح ہیں۔ اسے ترمذی (۱۱۳، وأعلیٰ) اور ابو داؤد (۲۳۶) نے روایت کیا ہے۔ دارمی (۱/۱۹۵-۱۹۶ ح ۷۷۱) اور ابن ماجہ (۶۱۲) نے اسے ”اس پر غسل (واجب) نہیں۔“ تک روایت کیا ہے۔

تحقیق الحديث: اس کی سند ضعیف ہے۔

وجہ ضعف یہ ہے کہ اس سند کے ایک بنیادی راوی ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن عمر بن

حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب القرشي العدوي العمري المدني جمهور محدثین کے نزدیک (حافظے کی وجہ سے) ضعیف ہیں۔

عبداللہ بن عمر العمري پر درج ذیل محدثین و علماء کی جرح ثابت ہے:

- ۱: بخاری (ذکرہ فی کتاب الضعفاء: ۱۸۸)
- ۲: ابو حاتم الرازی (المجرح والتعديل ۱۱۰/۵)
- ۳: نسائی (کتاب الضعفاء: ۳۲۵)
- ۴: دارقطنی (سولات البرقانی: ۵۸۳)
- ۵: ابن حبان (کتاب المحرمین ۷/۷)
- ۶: ابو زرعة الرازی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء: ۱۶۷)
- ۷: ابن الجوزی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء ۱۳۳/۲ تا ۲۰۸)
- نیز دیکھئے التحقیق فی اختلاف الحديث (۱/۲۱۸ تحت ح ۳۶۸)
- ۸: عقیلی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء ۲/۲۸۰)
- ۹: بیہقی (السنن الکبریٰ ۶/۳۲۵ ج ۱: کثیر الوهم، معرفة السنن والآثار ۵/۱۳۰ ج ۱: غیر تصحیح)
- ۱۰: نووی (المجموع شرح المہذب ۲/۱۳۲)
- ۱۱: ابن حجر العسقلانی (تقریب المعجم: ۳۲۸۹)
- نیز دیکھئے فتح الباری (۲/۱۳۲ تحت ح ۶۳۵، دوسرے نسخہ ۲/۲۸۲)
- ۱۲: ابن کثیر الدمشقی (التفسیر ۲/۵۹۸ ج ۲: ۴۷۴، سورۃ المائدہ: ۸۹)
- ۱۳: یوسری (مصابح الزجاء: ۵۳۸، زاد المعاد سنن ابن ماجہ: ۱۵۹۰)
- ۱۴: عینی حنفی (عمدة القاری شرح صحیح البخاری ۹/۷ قبل ح ۱۳۸۳)
- ۱۵: محمد بن طاہر بن علی المقدسی، ابن القیسرانی (تذکرۃ الموضوعات ص ۳۳ ح ۱۸۳)
- ۱۶: ابن الترمکانی حنفی (المجہد الحنفی ۲/۳۷۳)
- ۱۷: ابن حزم (المحل ۷/۳۷۷ مساندہ ۸۱۱)

۱۸: ابن عبدالبہادی (الفتح ۱/۲۱۸)

ان پر درج ذیل محدثین سے جرح مروی ہے، لیکن باسند صحیح ثابت نہیں:

۱: علی بن المدینی

۲: صالح بن محمد البغدادی

۳: یحییٰ بن سعید القطان

آپ سے صرف یہ ثابت ہے کہ عبد اللہ العمری سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔

۴: ابوالاحمد الحاکم

۵: ابن سعد

درج ذیل علماء کے اقوال توثیق و جرح میں اضطراب و تعارض ہے:

۱: ترمذی (مثلاً دیکھئے سنن الترمذی: ۱۸۹۴)

۲: احمد بن حنبل

۳: یحییٰ بن معین

۴: ابن شاہین (ذکرہ فی الثقات و ذکرہ فی الضعفاء)

نیز دیکھئے ذکر من اختلف العلماء و نقاد الحدیث فیہ لابن شاہین (ص ۶۲-۶۵)

۵: ابن خزیمہ (عین ممکن ہے کہ ان کے نزدیک جرح رائج ہو)

یہ اقوال تعارض و اضطراب کی وجہ سے ساقط ہیں۔

درج ذیل محدثین و علماء سے عبد اللہ بن عمر العمری کی توثیق ثابت یا مروی ہے اور

بعض سے ایک ہی عبارت میں توثیق و جرح اکٹھی بھی منقول ہے:

۱: مسلم (صحیح مسلم: ۷)

۲: عبد الرحمن بن مہدی (روایت کرتے تھے)

۳: ابن عدی

۴: احمد بن یونس

- ۵: بزار
- ۶: غلیلی
- ۷: حاکم
- ۸: ذہبی (انہوں نے المہذب فی اختصار السنن الکبیر ۵/۲۳۹۶ ح ۱۰۳۰۵ میں عبد اللہ العمری کو کثیر الوہم بھی قرار دیا ہے، لہذا ان کی توثیق ان کی جرح سے متعارض ہے۔)
- ۹: بیہمی
- ۱۰: عجل
- ۱۱: احمد بن صالح المصری
- ۱۲: یعقوب بن شیبہ (قال کما نقل صاحب تہذیب التہذیب: ثقہ صدوق، فی حدیث اضطراب) وحسن حدیث۔ ان سے جرح بھی مروی ہے۔
- ۱۳: ابن الجارود (روی فی المنشی: ۸۹)
- اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمر العمری جمہور کے نزدیک مجروح ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں۔
- ☆ امام یحییٰ بن معین نے عبد اللہ بن عمر العمری کی نافع سے روایت کو ”صالح“ قرار دیا ہے اور بعض محدثین نے اس سلسلہ سند کی تصحیح (وتحسین) کی، لہذا راقم الحروف کے نزدیک العمری مذکور کی نافع سے روایت حسن ہوتی ہے۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۳/۱۹۷)
- مشکوٰۃ المصابیح والی روایت مذکورہ نافع سے نہیں، لہذا بلحاظ سند ضعیف ہے۔
- اس حدیث کا متن تین اہم باتوں پر مشتمل ہے:
- ۱: مرد کو احتلام ہو تو غسل واجب یعنی فرض ہے۔
- ۲: عورت کو بھی احتلام ہو تو غسل واجب یعنی فرض ہے۔
- ۳: عورتیں شقائق الرجال (طبیعت و خلقت میں مردوں کی طرح) ہیں۔
- الماء من الماء وغیرہ دلائل اور اجماع امت کی رو سے احتلام کے بعد مرد پر یہ واجب ہے کہ

غسل کرے اور عورت پر احکام کے بعد غسل کا وجوب صحیح مسلم (۳۱۳ [۷۱۲]) وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے۔

تیسرے فقرے ”النساء شقائق الرجال“ کے دو شواہد ہیں:

۱: ابوالمغیرہ عبد القدوس بن الحجاج الخولانی الحمصی (ثقة بالاجماع) عن الاوزاعي عن

اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ الانصاری عن جدته ام سلیم رضی اللہ عنہا (مسند احمد ۶/۲۷۷ ج ۲۷۱۸)

یہ سند منقطع (ضعیف) ہے۔ (دیکھئے علل المدیث لابن ابی حاتم: ۱۶۳، مجمع الزوائد للہیثمی ۱/۲۶۸)

۲: محمد بن کثیر بن ابی عطاء الصنعانی الحمصی عن الاوزاعي عن اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ عن انس بن نحو المعنی

(سنن الداری: ۷۷۰، دوسرے نسخ: ۷۹۱، صحیح ابی عوانہ: ۲۹۰ ج ۶۵۰، السلسلة الصحيحة للالبانی ۶/۸۶۱ ج ۲۸۶۳)

محمد بن کثیر الحمصی راجح تحقیق میں جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہیں، لہذا یہ سند بھی

ضعیف ہے۔

شیخ البانی وغیرہ کے اصول سے محمد بن کثیر الصنعانی نے اپنی سند میں ابوالمغیرہ (ثقة)

کی مخالفت کر رکھی ہے، لہذا یہ روایت ان کے منہج پر منکر ہے۔

خود علامہ البانی رحمہ اللہ نے محمد بن کثیر کو لائحہ بہ وغیرہ عبارات سے مجروح قرار دیا ہے۔

(دیکھئے الضعیفہ ۳/۱۶۳ ج ۱۰۵۲، ۱۲/۱۷۷ ج ۵۵۲۳)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ شقائق الرجال والی روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف و

مردود ہی ہے۔ واللہ اعلم (۶/ستمبر ۲۰۱۳ء)

اضواء المصانیح فی تحقیق مشکوٰۃ المصابیح کی تعلیلات جدیدہ

(۳۰۶۹) اسنادہ ضعیف (کمپوزنگ کی غلطی سے اسنادہ حسن چھپ گیا تھا)

(۵۹۹۱) اسنادہ حسن (سابقہ حکم: اسنادہ ضعیف) صالح بن عبد الکبیر کی توثیق مل گئی ہے۔

(۶۱۵۳) سندہ ضعیف (سابقہ حکم: صحیح) دیکھئے انوار الصحیفہ ص ۳۳۱



توضیح الاحکام

مفتی محمد رفیع عثمانی

مفتی محمد رفیع عثمانی

مفتی محمد رفیع عثمانی

صرف ہفتے والے دن کے نفلی روزے کا حکم؟

سوال صرف ہفتے والے دن کے نفلی روزے کا کیا حکم ہے؟

(نوید شوکت، ڈربہ۔ برطانیہ)

الجواب سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہما اور ان کی بہن صماء المازنیہ وغیرہما سے مروی

ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ہفتے کے دن کا روزہ نہ رکھو سوائے اس دن کے جس میں تم پر روزہ فرض ہو اور اگر تمہیں صرف انگور کی ٹہنی کا چھلکا یا کسی درخت کی لکڑی ہی (کھانے کے لئے) ملے تو اسے

چالو۔ (سنن ابی داؤد: ۲۴۲۱، سنن ترمذی: ۷۴۴، دقال: ”حسن“ سنن ابن ماجہ: ۱۷۲۶)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور اسے ابن خزیمہ (۲۱۶۳) ابن حبان (بسنہ آخر:

۳۶۰۶) حاکم (۱/۳۳۵ ح ۱۵۹۲) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام ابوداؤد نے فرمایا:

”هذا الحديث منسوخ“ یہ حدیث منسوخ ہے۔

کئی علماء نے اس دعویٰ کی تنقیح کا انکار کیا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات سے پہلے ”يوم السبت والاحد“ ہفتے

اور اتوار کا روزہ رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا: یہ مشرکین (یہود و نصاریٰ) کی عید کے دن ہیں

اور میں اُن کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۶۷، صحیح ابن حبان: ۳۶۰۷ ح ۲۵۱۶)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور اسے ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم (۱/۳۳۶ ح

۱۵۹۳) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے راوی عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب کو درج ذیل محدثین

نے ثقہ و صدوق قرار دیا ہے:

۱: دارقطنی قال: ثقة (سوالات البرقانی: ۸۵ ملخصاً)

۲: ابن خزيمة (صحیح حدیث)

۳: ابن حبان (ایضاً)

۴: حاکم (ایضاً)

۵: ذہبی (ایضاً)

وقال فی الکاشف (۱۱۴/۲): ”ثقة“

محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب کو درج ذیل محدثین نے ثقہ و صدوق قرار دیا:

۱: ابن حبان (ذکرہ فی الثقات)

۲: ذہبی، قال فی الکاشف (۷۳/۳): ”ثقة“

۳: دارقطنی، قال: ثقة (سوالات البرقانی: ۸۵ ملخصاً)

۴: ابن خزيمة (صحیح حدیث)

۵: حاکم (ایضاً)

۶: ابن حجر العسقلانی، قال: صدوق (تقریب التہذیب: ۶۱۷۰)

باقی سند بالکل صحیح ہے۔

اس حدیث کو شیخ البانی کا محمد بن عمر بن علی کی وجہ سے ضعیف قرار دینا (الضعیفۃ:

۱۰۹۹) بہت ہی عجیب و غریب اور غلط ہے۔

اس حسن لذاتہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص اتوار کے دن کا نفلی روزہ رکھنا

چاہے تو اس کے لئے ہفتے کے دن کا روزہ رکھنا بھی جائز ہے اور ابن خزيمة، ابن حبان و ابن

شاہین وغیرہم نے یہی مفہوم سمجھا ہے۔

چونکہ اوّل ترتیب کے لئے ضروری نہیں، لہذا اگر کوئی شخص صرف ہفتہ یا صرف اتوار کا

روزہ رکھنا چاہے تو بھی اس حدیث کی برو سے جائز ہے۔

حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو سابق حدیث کے معارض قرار دیا ہے، لہذا معلوم یہی ہوتا ہے کہ وہ اسی دوسری بات کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم

محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی نے بھی لکھا ہے: ”و ظاہرہ صوم کل علی الانفراد والاجتماع“ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں دنوں کا انفرادی اور اجتماعی روزہ رکھنا جائز ہے۔ (بل السلام ص ۶۷۶ ج ۶۸۳)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزہ داود (علیہ السلام) کا روزہ ہے، آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱۸۳۱، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، ملخصاً)

اس حدیث سے صرف ہفتے کے دن روزہ رکھنے کا جواز ثابت ہے، اور بعض علمائے معاصرین نے بھی اس سے ایسا ہی استدلال کیا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ امام زہری نے ہفتے کے دن کے بارے میں فرمایا:

اس کے روزے میں کوئی حرج نہیں۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ۸۱/۲)

اس روایت کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

- ۱: طحاوی کے استاد محمد بن حمید بن ہشام کا ثقہ و صدوق ہونا ثابت نہیں۔
 - ۲: عبد اللہ بن صالح کا تب الیث سے صرف وہی روایت صحیح یا حسن ہوتی ہے جو حدیث کے (حذاق) ماہر ثقہ اماموں نے بیان کی ہو اور یہ ان روایات میں سے نہیں۔
- ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں امام زہری نے فرمایا: یہ حمصی حدیث ہے۔ (المسند رک ۴۳۶/۱)

یہ سند محمد بن اسماعیل بن مہران النیسابوری کے اختلاط کی وجہ سے مشکوک ہے۔

تمام دلائل مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف ہفتے کے دن کا روزہ نہ رکھا جائے اور یہی بہتر ہے، تاہم اگر کوئی شخص مخالفت یہود و غیرہ کی وجہ سے یہ روزہ رکھ لے تو جائز ہے۔ واللہ اعلم

(۵/اگست ۲۰۱۳ء)

آیت ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ کی تفسیر

سوال: سوال یوں ہے کہ ترمذی کی روایت (۳۰۹۵) جس کی سند کچھ اس طرح

ہے: حدثنا الحسين بن يزيد الكوفي: حدثنا عبد السلام بن حرب عن

غطف بن أعين عن مصعب بن سعد عن عدي بن حاتم قال: أتيت النبي

ﷺ وفي عنقي صليب من ذهب فقال: يا عدي! اطرح عنك هذا الوثن:

شیخ صاحب! سوال یہ ہے کہ بعض احباب اس روایت کو صحیح/حسن بتلاتے ہیں۔ کیا شیخ البانی

نے اس کو صحیح ترمذی (۳۰۹۵) میں ذکر کیا ہے؟ جبکہ انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ من

السنن الاربعہ صفحہ ۲۸۰ روایت نمبر ۳۰۹۵ میں غطف کو ضعیف لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس کے

ضعف کی کیا وجوہات ہیں؟ اور کیا اس روایت کے کوئی صحیح یا حسن شاہد ہیں؟

اس سلسلے میں ابوالہتیری کا قول جو حسن درجے کا ہے جامع بیان العلم وفضلہ میں اس

بارے میں کیا لکھا ہے۔ (میں نے سنا ہے کہ یہ روایت حسن ہے، واللہ اعلم) اور اس کی جلد

نمبر اور رقم (نمبر بھی بتائیے اور کیا واقعی وہ سند حسن ہے؟ اس بارے میں تفصیلاً جوابی

لفافے میں جواب دیجئے، ان شاء اللہ۔ جزاک اللہ خیراً (سائل: زعیم پشاور)

الجواب: آیت ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ کی

تشریح میں دو روایات ہیں:

(۱) مرفوع

سیدنا عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں نے

سونے کی ایک صلیب گردن میں لٹکا رکھی تھی، تو آپ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اتار

پھینکو۔ اور میں نے آپ کو سورۃ التوبہ کی آیت: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا

مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ پڑھتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی لیکن

جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال سمجھتے اور جسے حرام قرار دیتے تو یہ اسے حرام

سمجھتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۳۰۹۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۱۱۶، تاریخ الکبیر للبخاری ۷/۱۰۶، المعجم الکبیر للطبرانی

۷/۹۲ ح ۲۱۸-۲۱۹، تفسیر ابن جریر ۵/۸۶۳ ح ۱۶۶۳۱-۱۶۶۳۲، اور السلسلة الصحیحة ۷/۸۶۱ ح ۳۲۹۳)

اس روایت کی سند میں غطف بن اعین ضعیف راوی ہے۔

۱: دارقطنی نے اسے الضعفاء والمتر وکون (۳۳۰) میں ذکر کیا۔ (المتر وکون)

۲: ابن الجوزی نے اسے الضعفاء والمتر وکون (۲/۲۳۷ ت ۲۶۸۶) میں ذکر کیا۔

۳: ذہبی نے اسے دیوان الضعفاء والمتر وکون میں درج کیا۔ (۲/۲۳۰ ت ۳۳۳)

۴: ابن حجر نے فرمایا: ”ضعیف“ (تقریب التہذیب: ۵۳۶۴)

ان کے مقابلے میں ابن حبان نے اسے کتاب الثقات (۷/۳۱۱) میں ذکر کیا اور امام

ترمذی کا قول مختلف فیہ ہے۔ کئی نسخوں میں صرف غریب کا لفظ ہے۔ (دیکھئے تحفۃ الاشراف

۷/۲۸۲ ت ۹۸۷، الاحکام الکبریٰ لعبد الحق الاشعری ۴/۱۱۷، اور تہذیب الکمال ۶/۱۳، وغیرہ)

بعض نسخوں میں حسن غریب کا لفظ ہے۔ اگر اسے ثابت مانا جائے تو یہ دو توثیقیں ہیں

جو جمہور کی جرح کے مقابلے میں مرجوح ہیں، لہذا یہ راوی ضعیف ہی ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس روایت کے دو شواہد ذکر کئے ہیں:

۱: عامر بن سعد عن عدی بن حاتم (الکافی الشاف ۲/۲۶۳)

اس کی سند میں واقدی کذاب ہے اور واقدی تک سندنا معلوم ہے۔

۲: عطاء بن یسار عن عدی بن حاتم (ایضاً) اس کی سندنا معلوم ہے۔

بے سند روایتیں مردود ہوتی ہیں، لہذا شیخ البانی کا دوسری سند کے ساتھ ملا کر اسے

”حسن ان شاء اللہ“ قرار دینا عجوبہ ہے۔

۲) موقوف

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ان لوگوں نے ان احبار و

رہبان کی عبادت کی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں، جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو یہ

اُسے حلال سمجھتے تھے اور جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتے تو یہ اُسے حرام سمجھتے تھے۔

تفسیر عبدالرزاق (۱۰۷۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۸۶۵ ح ۱۶۶۳۳) السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۰/۱۱۶، شعب الایمان: ۹۳۹۴ بلون آخر، دوسرا نسخہ: ۸۹۳۸) جامع بیان العلم وفضله لابن عبدالبر (۲/۲۱۹ ح ۹۳۹۹) اور السلسلة الصحیحة (۷/۸۶۵)

یہ سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابوالخثری سعید بن فیروز الطائی کی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ حافظ علائی نے لکھا ہے: ”سعید بن فیروز ابو البختري الطائي كثير الإرسال عن عمرو وعلي و ابن مسعود و حذيفة وغيرهم رضي الله عنهم.“ (جامع التصيل ص ۱۸۳)

شیخ البانی نے بھی اس سند کا مرسل (یعنی منقطع) ہونا تسلیم کیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ ص ۸۶۵) اور یہ معلوم ہے کہ مرسل و منقطع روایت مردود کی ایک قسم ہے۔

تفسیر سعید بن منصور میں لکھا ہوا ہے:

”(959) حدثنا سعيد قال: نا هشيم ، قال: نا العوام بن حوشب ، عن حبيب بن أبي ثابت ، قال: حدثني أبو البختري الطائي ، قال: قال لي حذيفة: أرايت قول الله عز وجل اتخذوا أحابارهم ورهبانهم أربابا من دون الله؟ فقال حذيفة: أما إنهم لم يصلوا لهم ، ولكنهم كانوا ما أحلوا لهم من حرام استحلوه ، وما حرموا عليهم من الحرام حرموه فتلك ربوبيتهم“ (۳/۳۱۳ شاملہ)

اس روایت کی سند ابوالخثری الطائی تک صحیح ہے، لیکن سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ ”لي“ کا لفظ کاتب یا ناخ کی خطا ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام کتابوں میں یہ روایت سماع کی تصریح کے بغیر ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سعید بن منصور رحمہ اللہ نے یہ روایت اسی طرح ”قال لي“ کے ساتھ بیان کی تھی تو پھر موقوف سند صحیح ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: جامع بیان العلم وفضله (۲/۲۱۹ ح ۹۳۸) میں اس مفہوم کی ایک روایت (صحیح سند کے ساتھ) ابوالاحوص سلام بن سلیم الحنظلی الکوفی سے عن عطاء بن السائب عن ابی الخثری کی

سند کے ساتھ مروی ہے، یعنی یہ صرف ابوالہثری کا اپنا قول ہے۔

ابوالاحوص کا شمار عطاء بن السائب کے قدیم شاگردوں میں نہیں۔ (دیکھئے اختصار علوم الحديث تحقیقی ص ۱۶۶) لہذا یہ مقطوع سند بھی ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

آپ نے اس تحقیق سے دیکھ لیا کہ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف و مردود ہی ہے اور اسی بات کو انوار الصحیفہ میں اختصار پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل الفاظ کے ساتھ لکھا گیا ہے: ”غطیف: ضعیف (تق: ۵۳۶۴) و للحديث شاهد موقوف عند الطبري في تفسيره (۸۱/۱۰) و سندہ ضعیف منقطع“ (ص ۲۸۱)۔

اگر کوئی کہے کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہی ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو اس طرح سے رب بنا لیا کہ اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کی، جسے احبار و رہبان نے حلال قرار دیا تو اسے حلال سمجھا اور جسے انھوں نے حرام قرار دیا تو اسے حرام سمجھا، چاہے یہ تحلیل و تحریم وحی الہی اور آثار انبیاء کے سراسر خلاف تھی۔ (دیکھئے تفسیر ابن جریر ۵/۸۶۳، اور تفسیر بغوی ۲/۲۸۵ وغیرہ)

ضعیف روایات کو خواخواہ جمع تفریق کر کے حسن لغیرہ قرار دینا متقدمین محدثین سے ہرگز ثابت نہیں اور نہ متاخرین کا اس (ضعیف + ضعیف) پر کلیتاً عمل ہے۔

اپنی مرضی کی روایات کو حسن لغیرہ بنا دینا اور مخالفین کی کئی سندوں والی روایات کو ضعیف، شاذ اور منکر قرار دے کر رد کر دینا دوغلی پالیسی کے سوا کچھ نہیں۔

(۱۶/مئی ۲۰۱۳ء)

وما علينا إلا البلاغ

روافض یعنی شیعہ کے بارے میں امام زہری کا فیصلہ

امام زہری رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا: میں نے نصاریٰ (عیسائیوں) کے مشابہ سبائیوں (رافضیوں) سے بڑھ کر کوئی قوم نہیں دیکھی۔

(الشریعہ للاجری: ۲۰۲۸، السنۃ للحرب الکرمانی: ۲۷۵، سند صحیح)

حافظ زبیر علی زئی

کیا تراویح کے بارے میں ابن ہمام حنفی کا قول شاذ ہے؟
[انور اوکاڑوی دیوبندی کا جواب]

کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید السکندری السیوسی (م ۸۶۱ھ) ایک ماتریدی حنفی مولوی تھا جو ابن ہمام کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

اس ابن ہمام کے بارے میں عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے: ”وکان اماماً...“

(الفوائد السیسیہ ص ۲۳۶)

لکھنوی صاحب نے ابن ہمام کی کتاب شرح الہدایہ یعنی فتح القدر کو تصانیف مقبولہ معتبرہ میں شامل کیا ہے۔

فقیر محمد جہلمی نے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے اور مبالغے کا ”لک“ توڑتے ہوئے لکھا ہے: ”امام محقق، علامہ مدقق، نظار، فروعی، اصولی، محدث، مفسر، حافظ، نحوی، کلامی، منطقی، جدلی، فارس میدان بحث تھے... چنانچہ ہدایہ کی شرح فتح القدر نام ایسی محققانہ لکھی کہ جس کی نظیر آج تک نہیں ملتی اور اس میں تعصب و اعتساف مذہبی سے اجتناب کر کے نہایت منصفانہ دلائل سے مذہب حنفیہ کو ثابت کیا۔“ الخ (حدائق الحنفیہ ص ۳۵۰)

سرفراز خان صفدر کڑمنگی گکھڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

”امام کمال الدین محمد بن ہمام الحنفی...“ (ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب ص ۸۶ ملخصاً)

آنجنمائی ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:

”شیخ الاسلام محقق ابن ہمامؒ اور رکعات تراویح...“ (تجلیات صفدر ۳/۲۳۳)

احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: ”المحقق علی الاطلاق“ (الامن والعلی ص ۱۵۲)

آل دیوبند وغیرہ کی کتابوں میں مزید بہت سے حوالے تلاش کئے جاسکتے ہیں، جن میں ابن ہمام کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

اس ابن ہمام نے متعدد غلط باتیں لکھتے ہوئے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ”فتحصل من هذا كله أن قيام رمضان سنة إحدى عشرة ركعة بالوتر في جماعة فعليه صلى الله عليه وسلم ثم تركه لعذر...“ اس سبب کا حاصل و خلاصہ یہ ہے کہ قیام رمضان گیارہ رکعت مع الوتر باجماعت سنت ہے، آپ ﷺ نے یہ قیام کیا ہے پھر ایک عذر کی وجہ سے اسے چھوڑا ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۷۷۰ فصل فی قیام رمضان: التواتر...) مثلاً:

۱: ملا علی قاری حنفی نے کئی قلابازیاں کھاتے ہوئے بھی ابن ہمام کا قول ذکر کیا ہے اور یہ صراحت نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ نے گیارہ رکعات نہیں پڑھی تھیں۔

(دیکھئے مرآة المفاتیح ۳/۳۸۲ تحت ج ۱۳۰۳)

۲: خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے:

”البتة بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں“ (براہین قاطعہ ص ۸)

خلیل احمد نے مزید لکھا ہے:

”اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو بافتاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے...“ (براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

۳: احمد علی سہارنپوری تقلیدی نے ابن ہمام کا مکمل قول نقل کر کے لکھا ہے:

”كذا قاله ابن الهمام ۱۲“ ابن ہمام نے اسی طرح کہا ہے۔

(حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۴ حاشیہ نمبر ۳)

احمد علی کا یہ طریقہ ہے کہ جس کتاب سے عبارت نقل کی، اُس کا حوالہ لکھ دیا مثلاً:

”كذا في القسطلاني... كذا في المجمع“ (دیکھئے صفحہ مذکورہ)

ایسا لکھنے سے سہارنپوری کی مراد مذکور قائل پر کسی قسم کا رد نہیں ہوتا۔

ماسٹر امین اوکاڑوی نے تسلیم کیا ہے کہ ابن ہمام کے نزدیک ”رسول پاک ﷺ نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں۔“

اور بعد میں اوکاڑوی نے اسے ”شاذ اقوال“ میں شمار کیا ہے۔ (دیکھئے تجلیات صفحہ ۲/۲۳۳)
انور اوکاڑوی نے لکھا ہے:

”جب کہ یہ شاذ قول ہے اور اس کو نہ تحقیقی طور پر پیش کر سکتے ہیں کہ ابن ہمام نہ خدا ہے اور نہ رسول، نہ الزامی طور پر کہ یہ مفتی بہ نہیں ہے“ (ماہنامہ الخیر ملتان ج ۳۱ شمارہ ۹-۱۰، اگست ۲۰۱۳ء ص ۵۰)
ہمارے علم کے مطابق انگریزی دور سے پہلے کسی عالم نے بھی ابن ہمام کے اس قول کو شاذ ہرگز نہیں کہا، بلکہ متعدد علماء سے ابن ہمام کی معنوی تائید ثابت ہے۔ مثلاً:

۱: ابن نجیم حنفی (م ۹۷۰ھ) نے ابن ہمام سے بطور اقرار نقل کیا:

پس اس طرح ہمارے مشائخ کے اصول پر ان میں سے آٹھ (رکعتیں) مسنون اور بارہ (رکعتیں) مستحب ہو جاتی ہیں۔ (البحر الرائق ۲/۶۷، تعداد قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۰۸)

۲: طحاوی نے لکھا ہے: ”لأن النبي عليه الصلوة والسلام لم يصلها عشرين، بل ثمانين“ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس (رکعات) نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔ (حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار ۱/۲۹۵)

۳: محمد احسن نانوتوی تقلیدی نے کہا:

”لأن النبي ﷺ لم يصلها عشرين بل ثمانين“ کیونکہ نبی ﷺ نے بیس (۲۰ رکعات) نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ رکعات پڑھی ہیں۔ (حاشیہ کنز الدقائق ص ۳۶ حاشیہ نمبر ۴)

۴: حسن بن عمار بن علی الشرنبلانی حنفی (م ۱۰۶۹ھ) نے تسلیم کیا ہے کہ

کیونکہ یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعتیں مع وتر پڑھی ہیں۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۹۸)

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون: آٹھ رکعات تراویح اور غیر

المحدث علماء (تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۰۷-۱۱۱)

ثابت ہوا کہ دونوں اوکاڑویوں کا ابن ہمام کے قول کو شاذ کہنا باطل و مردود ہے۔

آخر میں چند اہم تنبیہات پیش خدمت ہیں:

۱: ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ابن ہمام نہ اللہ ہے اور نہ رسول، لیکن ایک غالی حنفی مولوی تھا اور اس کا قول نیز دیگر تقلیدی علماء کی عبارات کو حنفیہ تقلید یہ عالیہ پر بطور الزام پیش کیا جاتا ہے کہ جس بات کا تم انکار کرتے ہو، اسے تمہارے فلاں فلاں مولوی نے بھی تسلیم کر رکھا ہے۔

۲: شاذ تو وہ قول ہوتا ہے جس میں کسی راوی کا تفرّد ہو، ثقہ راویوں کے خلاف ہو اور کوئی متابعت ثابت نہ ہو۔ یہاں تو ملا علی قاری، شرنبلالی، طحطاوی اور سہارنپوری وغیرہم نے ابن ہمام کی مکمل متابعت کر رکھی ہے، لہذا شذوذ کا دعویٰ باطل ہے۔

تنبیہ: آل دیوبند اور تقلید یہ عالیہ کو ثقات میں سے سمجھنا باطل ہے۔

۳: ابن ہمام وغیرہ تقلیدیوں کا یہ کہنا کہ خلفائے راشدین نے بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں، بہت بڑا جھوٹ اور بہتان ہے۔

کسی ایک خلیفہ راشد سے بھی باسند صحیح متصل بیس رکعات ثابت نہیں، بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے باسند صحیح گیارہ رکعات (تراویح مع الوتر) ثابت ہیں۔

(دیکھئے موطاً امام مالک ۱/۱۱۵ ج ۲۳۹)

یعنی حنفی اور نیموی دونوں نے اس روایت کا صحیح السند ہونا تسلیم کیا ہے۔

(دیکھئے منتخب الافکار ۵/۱۰۳، دوسرا نسخہ ۳/۲۷۷، آثار السنن: ۷۷۶)

لہذا انگریزی دور کے آل دیوبند و آل تقلید کا اس فاروقی حکم کو مضطرب یا ضعیف کہنا

بہت بڑا جھوٹ ہے۔

۴: آل دیوبند کا عام طریقہ کاریہ ہے کہ اپنی مرضی کی روایات و اقوال کو صحیح و ثابت باور کراتے ہیں، اگرچہ بے سند، باطل و مردود ہی ہوں اور اپنی مرضی کے خلاف روایات و اقوال کو شاذ و ضعیف باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں اگرچہ صحیح الاسناد اور حسن لذاتہ ہی کیوں

(۷/ اگست ۲۰۱۳ء)

نہ ہوں۔

حافظ زبیر علی زئی

غلام رسول سعیدی: ایک موضوع روایت اور قربانی کا وجوب؟

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الامين، أما بعد:
غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:
”اور قربانی کرنے کا وجوب حسب ذیل احادیث سے ثابت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے:
ضحوا و طيبوا بها انفسكم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔“

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۹۳، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۲۲۳۳-۸۱۶۷ قدیم، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۶، المسند رک ج ۳ ص ۲۲۱، شرح السنن رقم الحدیث: ۱۱۲۳)

اس حدیث میں آپ نے قربانی کرنے کا حکم دیا ہے اور امراہل میں وجوب کے لئے آتا ہے، خصوصاً جب کہ قرائن صارفہ سے خالی ہو۔“ (تبیان القرآن ج ۹ ص ۹۷)

عرض ہے کہ ”ضحوا“ یعنی قربانی کرو کے حکم کے ساتھ یہ حدیث نہ تو سنن ترمذی میں موجود ہے اور نہ سنن ابن ماجہ میں ہے، نہ تو مستدرک میں ملی ہے اور نہ شرح السنن للبیہقی میں ہے، لہذا مذکورہ تمام حوالے غلط ہیں۔

ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث مذکورہ حوالوں میں سے صرف مصنف عبد الرزاق (ج ۸۱۶۷، دوسرا نسخہ: ۸۱۹۸) میں موجود ہے، اسے امام عبد الرزاق نے ابوسعید الشامی قال: حدثنا عطاء بن ابی رباح عن عائشة رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کے مرکزی راوی ابوسعید عبد القدوس بن حبیب الشامی کا تذکرہ درج ذیل ہے:

- ۱: امام عبد اللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ نے عبد القدوس بن حبیب کے بارے میں فرمایا: ”کذاب“ بڑا جھوٹا۔ (مقدمہ صحیح مسلم: ۸۲، سندہ صحیح، مع شرح غلام رسول سعیدی ج ۱ ص ۲۳۱)
- ۲: امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”متروك الحديث ، كان لا يصدق“ متروك الحديث، اسے سچا نہیں سمجھا جاتا تھا/ یا وہ سچ نہیں بولتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعديل ۶/۵۶، نیز دیکھئے علل الحديث ۱/۲۵۹ ح ۱۳۸۰)

۳: امام ابو حفص عمرو بن علی الفلاس البصری رحمہ اللہ نے فرمایا:
”اجمع اهل العلم على ترك حديثه“ اس کی حدیث ترک کرنے پر اہل علم کا اجماع ہے۔ (کتاب الجرح والتعديل ۶/۵۶، تاریخ بغداد ۱۱/۱۲۸، وسندہ صحیح)

۴: امام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:
”ذاهب الحديث“ یعنی وہ حدیث میں گیا گزرا ہے۔

(کتاب الکافی قلمی مصور ۴۵/۱۲۱، تاریخ بغداد ۱۱/۱۲۸، وسندہ صحیح)

ذاهب الحديث کے بارے میں دیکھئے اسی سلسلے کا حوالہ نمبر ۱۰

۵: امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

”في حديثه مناكير“ اس کی حدیثوں میں منکر (روایتیں) ہیں۔

(کتاب الضعفاء تحقیقی ۲۳۶: تجتذ الاقویاء ص ۷۷)

۶: امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”ابو سعيد الشامي ، متروك“ (کتاب الضعفاء والمتردین: ۳۷۷)

۷: حافظ ابن مندہ نے فرمایا:

اسانید اور متون گھڑنے کے ساتھ عبد اللہ بن مسور، عمرو بن خالد، ابو داود النخعی سلیمان بن عمرو، غیاث بن ابراہیم، محمد بن سعید الشامی، عبد القدوس بن حبیب اور غالب بن عبید اللہ الجزری مشہور ہیں۔ (فضل الاخبار و شرح مذاہب الآثار ۸۱/۸۱، تحقیقی مقالات ۵/۵۴۱)

۸: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

”وكان يضع الحديث على الثقات ، لا تحل كتابة حديثه ولا الرواية عنه“

وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور ثقہ راویوں سے منسوب کر دیتا تھا، اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں اور

نہ اس سے روایت حلال ہے۔ (کتاب الجرح وین ۲/۱۳۱، دوسرے نسخہ ۲/۱۱۳)

۹: حافظ ابن عدی نے فرمایا:

”وہو منکر الحديث إسناداً و متناً“ وہ سند اور متن (دونوں) کے لحاظ سے منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا۔ (الکامل لابن عدی ۵/۱۹۸۱، دوسرا نسخہ ۷/۳۶)

۱۰: امام محمد بن عبد اللہ بن عمار الموصلی نے فرمایا:

”وہو ذاہب الحديث“ وہ حدیث میں گیا گزرا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۱/۱۲۸، سندہ صحیح)

یاد رہے کہ یہ الفاظ شدید جرح پر محمول ہیں۔

دیکھئے کتاب الجرح والتعديل (۲/۳۷)

ان کے علاوہ دوسرے بہت سے محدثین و علمائے اہل سنت نے ابوسعید عبد القدوس بن حبیب الشامی پر جرحیں کی ہیں، جن کی تفصیل لسان المیزان (۳/۲۵-۲۸) اور کتب الجرح و معین میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ غلام رسول سعیدی صاحب کی پیش کردہ روایت اصول حدیث کی رُو سے موضوع ہے، جسے وہ تفسیر قرآن کے تحت عام سادہ لوح لوگوں میں بغیر جرح کے بلکہ بطور استدلال پھیلا رہے ہیں۔

دوسری سند: حافظ ابن عبد البر کی کتاب التمهید میں اس روایت کی دوسری سند بھی ہے، جس کی سند میں نصر بن حماد راوی ہے اور اسماء الرجال کی رُو سے اس کا مقام درج ذیل ہے:

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ”نصر بن حماد کذاب“

(کتاب الضعفاء للعقيلي ۳/۳۰۱، دوسرا نسخہ ۳/۱۳۲۶، سندہ صحیح)

۲: امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ”هو متروك الحديث“

(کتاب الجرح والتعديل ۸/۴۷۰)

۳: امام ابو زرعة الرازی نے فرمایا:

”لا يكتب حديثه“ اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی۔ (کتاب الجرح والتعديل ۸/۴۷۰)

۴: امام مسلم نے فرمایا: ”ذاهب الحديث“

(کتاب الکتبی مخطوط مصور ص ۱۰۲/۲۶، تاریخ بغداد ۱۳/۲۸۲ دسندہ صحیح)

۵: عقیلی نے فرمایا: ”و نصر بن حماد متروک“

(کتاب الضعفاء ۴/۳۰۱، دوسر انس ۴/۱۳۲۶)

۶: امام یعقوب بن شیبہ نے فرمایا:

”لیس بشی“ وہ کوئی چیز نہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۲۸۱ ت ۷۲۴۳)

۷: حافظ ابن عبد البر نے نصر بن حماد الوراق کے بارے میں خود لکھا ہے:

”یروی عن شعبة منا کبر، ترکوه“ اس نے شعبہ سے منکر روایتیں بیان کیں، انھوں (محدثین) نے اسے ترک کر دیا ہے۔ (التمہید ۱/۵۰)

۸: امام دارقطنی نے اسے کتاب الضعفاء والمترکین (ص ۳۸۰ رقم ۵۳۶) میں ذکر کیا۔

۹: حافظ ذہبی نے فرمایا: ”حافظ متهم“ (الکاشف ۳/۲۱۳ ت ۵۸۰۵)

۱۰: بیہقی نے فرمایا: ”وهو متروک“ (مجمع الرواۃ ۶/۹۱ باب فیمن قل من المشرکین یوم بدر)

ان کے علاوہ مزید جروح کے لئے تہذیب التہذیب وغیرہ کی طرف رجوع کریں اور اپنے آپ کو حقیقت کی طرف منسوب کرنے والوں کو چاہئے کہ ذرا نصب الراية (۲/۳۸۷) بھی پڑھ لیں۔

یہ دوسری روایت بھی موضوع ثابت ہوئی، لہذا سعیدی صاحب کا اپنی پیش کردہ روایت میں صیغہ امر سے وجوب ثابت کرنا باطل و مردود ہوا۔

ان پر یہ ضروری تھا کہ پہلے اپنی پیش کردہ روایت کی تحقیق کرتے، موضوع اور مردود روایات پیش کرنے سے حیا کرتے، پھر تخت پر نقش نگاری کرتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا کہ کذاہین کی روایت سینے سے لگائے عید الاضحیٰ کی قربانی کا وجوب ثابت کر رہے ہیں۔

کیا شارح قرآن اور شارح صحیحین کا یہی طرز عمل ہوتا ہے؟!

بطور تنبیہ عرض ہے کہ سعیدی صاحب کے پیش کردہ دیگر حوالوں میں ”ضحوا“ کا لفظ موجود ہی نہیں اور سنن ترمذی (۱۳۹۳، وقال: حسن غریب) سنن ابن ماجہ (۳۱۲۶) اور

مستدرک الحاکم (۲/۲۲۱-۲۲۲ ح ۵۲۳) وقال: "صحيح الاسناد" فردہ الذہبی بقولہ: سلیمان واہ و بعضہم ترکہ) والی روایت میں قربانی کی فضیلت کے آخر میں: "فطیبوا بها نفسا" پس اپنے دلوں کو خوش کرو۔

کے الفاظ ہیں اور ان سے قربانی کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ یہ روایت حسن یا صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

اس کے راوی ابوالمثنیٰ سلیمان بن یزید الکعبی کو جمہور محدثین نے ضعیف و مجروح قرار دیا ہے، جن میں سے بعض گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا:

"منکر الحديث، ليس بقوي" وہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا، وہ قوی نہیں۔

(کتاب المجرع والتعذیل ۱۳۹/۲)

۲: دارقطنی نے فرمایا: "وأبو المثنى ضعيف" (کتاب العلل ۱۵/۵۱ سوال ۲۸۲۲)

۳: حافظ ذہبی نے فرمایا: "واہ" کمزور ہے۔ (تخصیص المسدک: ۷۵۲۳)

۴: حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ضعيف" (تقریب التہذیب: ۸۳۴۰)

حافظ ابن حبان نے توثیق بھی کی اور جرح بھی کی، لہذا ان کے دونوں اقوال باہم متعارض ہو کر ساقط ہیں اور جمہور محدثین کے مقابلے میں ترمذی و حاکم کی توثیق مرجوح ہے، نیز ہشام بن عروہ سے ابوشئی کے سماع میں بھی نظر ہے۔

خلاصہ یہ کہ سنن ترمذی والی روایت ضعیف بھی ہے اور سعیدی صاحب کے دعویٰ پر دلیل بھی نہیں۔ غلام رسول سعیدی صاحب نے مزید لکھا ہے:

"نیز آپ نے فرمایا:

على اهل كل بيت في كل عام اضحية

ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور

و عتيرة

(سنن ابی داؤد رقم الحديث: ۲۷۸۸، سنن الترمذی رقم الحديث: ۱۵۱۸، سنن النسائی رقم

الحديث: ۳۲۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۱۲۵

اور علی وجوب کے لئے آتا ہے یعنی ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے، اور
عتیرہ ابتدائے اسلام میں منسوخ ہو گیا تھا“ (تبیان القرآن ۹/۹۳۷)

علیٰ ہر جگہ وجوب کے معنی میں آتا ہے یا نہیں؟ اس بات سے قطع نظر اس روایت کی
سند میں ابو رملہ عامر مجہول الحال راوی ہے، اسے (ہمارے علم کے مطابق) ترمذی کے علاوہ
کسی نے بھی ثقہ و صدوق یا حسن الحديث قرار نہیں دیا، بلکہ حافظ ذہبی نے فرمایا:

”فیہ جہالة“ اس میں جہالت یعنی مجہول پن ہے۔ (میزان الاعتدال ۲/۳۶۳ تا ۳۶۷)

اور فرمایا: ”لا یعرف“ وہ غیر معروف ہے۔ (دیوان الفضلاء والمترکین ۲/۱۱ تا ۲۰۶)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”لا یعرف“ وہ غیر معروف ہے۔ (تقریب الجذیب: ۳۱۱۳)

حافظ عبدالحق اشہلی نے اس سند کو ضعیف کہا اور ابن القطان (الفاسی) نے عامر کی
جہالت (مجہول ہونے) کی وجہ سے اُن کی تصدیق کی۔ (میزان الاعتدال ۲/۳۶۳)

ان موضوع و ضعیف روایات کے بعد سعیدی صاحب نے سنن ابن ماجہ (۳۱۲۳)
وغیرہ کی وہ روایت بھی پیش کی ہے کہ ”جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے“
سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

”اس حدیث میں قربانی نہ کرنے پر عید ہے اور عید صرف واجب کے ترک پر ہوتی ہے“

(تبیان القرآن ۹/۹۳۷)

عرض ہے کہ اس میں عید نہیں بلکہ ممانعت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے:

جو شخص تھوم (لہسن) کھائے تو وہ ہمارے مسجد کے قریب نہ آئے۔ (صحیح بخاری: ۸۵۳)

ایک روایت میں ہے: جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے دور رہے یا ہماری مسجد

سے دور رہے۔ (صحیح بخاری: ۵۲۵۲)

اور فرمایا: ہمارے قریب نہ آئے اور ہر گز ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔

(صحیح بخاری: ۸۵۶، صحیح مسلم: ۵۶۲)

کیا اگر کوئی شخص کچا پیاز یا بہن کھالے تو آل بریلی کے نزدیک اس پر واجب ہے کہ مسجد میں داخل نہ ہو اور مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت نہ پڑھے! اگر ہے تو حوالے پیش کریں اور اگر نہیں تو سعیدی صاحب کا استدلال باطل ہے۔ سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

”نیز آپ کا ارشاد ہے:

”من ذبح قبل الصلاة فليعد اضحيته جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی وہ اپنی قربانی دہرائے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷)

اس حدیث میں آپ نے قربانی دوبارہ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ واجب کی علامت ہے۔“ الخ (تبیان القرآن ج ۹ ص ۹۷)

اس حدیث کے آخر میں آیا ہے کہ ”و من ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمين.“ اور جس نے (عید کی) نماز کے بعد ذبح کی تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا۔

(صحیح بخاری: ۵۵۵۶، صحیح مسلم ترمذی: ۱۹۶۱، ترمذی دار السلام: ۵۰۶۹)

جو لوگ اس حدیث سے وجوب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے: ”ورده الطحاوي بأنه لو كان كذلك لتعرض إلى قيمة الأولى ليلزم بمثلها، فلما لم يعتبر ذلك دل على أن الأمر بالاعادة كان على جهة الندب.“ اور اسے طحاوی نے رد کر دیا ہے، کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو پہلی (قربانی) کی قیمت اس کے ذمے لگانی تھی تاکہ اس کا مثل لازم ہو سکے، لہذا جب اس کا اعتبار نہیں کیا گیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اعادے (دوبارہ قربانی) کا حکم استحباب کے طور پر ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۶ تحت ج ۵۵۵۶-۵۵۵۷)

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول آگے ”قربانی سنت موکدہ ہے“ کے تحت آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

طحاوی کا یہ خیال ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود اپنے آپ پر پہلی قربانی کو واجب قرار دے رکھا تھا، لہذا انھیں اعادے کا حکم دیا گیا۔ (دیکھئے شرح مشکل الآثار ۱۲/۳۷۹ تحت ج ۲۸۷۷)

نیز طحاوی نے لکھا ہے:

”وذهب أكثر أهل العلم سواه إلى أنها مأمور بها، محضوض عليها، غير واجبة“ ان (امام ابو حنیفہ) کے علاوہ اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ یہ مامور بہ ہے (یعنی ایسا حکم ہے) جس کی بہت ترغیب دی گئی ہے، یہ واجب نہیں ہے۔ (مشکل الآثار ۱۲/۳۷۹)

قرطبی نے لکھا ہے:

”ولا حجة في شيء من ذلك واضحة لأن المقصود بيان كيفية مشروعية الأضحية لمن أراد أن يفعلها أو من العزمها فأوقعها على غير الوجه المشروع غلطاً أو جهلاً فبين له النبي ﷺ وجه تدارك ما فرط فيه.“

اور اس (استدلال) میں کوئی واضح دلیل نہیں کیونکہ مقصود تو مسنون قربانی کی کیفیت ہے اس کے لئے جو کرنا چاہتا ہے یا اس نے اسے (اپنے آپ پر) لازم قرار دیا ہے، پھر وہ غلطی یا ناجحی کی وجہ سے مسنون طریقے کے بغیر یہ کر دیتا ہے، پس نبی ﷺ نے اسے وہ بات بتادی جس سے وہ اپنی غلطی کا تدارک کر سکتا ہے۔ (المہم لما اهل من تخمیں کتاب مسلم ج ۵ ص ۲۵۲)

اس سے ثابت ہوا کہ سعیدی صاحب کا حدیث مذکور سے استدلال غلط ہے، نیز قرآن صارفہ کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

قربانی سنت موكده ہے

امام مالک نے فرمایا: قربانی سنت ہے، واجب نہیں اور میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی آدمی مال و دولت ہونے کے باوجود اسے ترک کرے۔ (الموطا ۲/۲۸۷ بعد ج ۱۰۷۳، رویہ یحییٰ بن معین)

امام احمد سے پوچھا گیا: قربانی فرض ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں اسے فرض نہیں کہتا لیکن یہ مستحب ہے۔ (مسائل ابی داؤد ص ۲۵۵ مختصراً)

امام بخاری نے فرمایا: ”باب سنة الأضحية“ قربانی کی سنت کا باب۔
 پھر انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلقاً روایت بیان کی: ”هي سنة و معروف“
 قربانی سنت ہے اور نیکی کا کام ہے۔

(صحیح بخاری قبل ح ۵۵۳۵، نیز دیکھئے تعلیق التعلیق ۳/۵ وفیہ ابوالنضیب زیاد بن عبد الرحمن القیس)
 امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ”والعمل علی هذا عند أهل العلم أن الأضحية
 ليست بواجبة ولكنها سنة من سنن النبي ﷺ يستحب أن يعمل بها وهو
 قول سفیان الثوری و ابن المبارک“ اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ قربانی
 واجب نہیں لیکن وہ نبی ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اس پر عمل کرنا مستحب
 ہے، یہی قول سفیان ثوری اور عبد اللہ بن المبارک کا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۵۰۶)

اور یہی قول اکثر اہل علم کا ہے، جیسا کہ طحاوی کے حوالے سے گزر چکا ہے اور اب اس
 کے بعض دلائل پیش خدمت ہیں:

۱) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إذا دخلت العشر
 وأراد أحدكم أن يضحي فلا يمس من شعره و بشره شيئاً“ جب (ذوالحجہ کا)
 عشرہ داخل ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو نہ اپنے بال کاٹے
 اور نہ ناخن کاٹے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۷۷، ترمذی دار السلام: ۵۱۱۷، شرح غلام رسول سعیدی ۱/۶: ۱۷۲)

اس حدیث پر امام دارمی نے ”باب ما يستدل من حديث النبي ﷺ أن
 الأضحية ليس بواجب“ (سنن دارمی ۲/۶ قبل ح ۱۹۵۳) باندھا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے دوبارہ قربانی والی حدیث کی شرح میں فرمایا:

”فاحتمل أن يكون إنما أمره أن يعود لضحية أن الضحية واجبة واحتمل
 أمره أن يكون أمره أن يعود إن أراد أن يضحي لأن الضحية قبل الوقت
 ليست بضحية تجزیه فيكون من عداد من ضحى، فوجدنا الدلالة عن
 رسول الله ﷺ أن الضحية ليست بواجبة لا يحل تركها و هي سنة نحب

لزومها و نكرة تركها لا على ايجابها فإن قيل فاین السنة التي دلت على أن ليست بواجبة؟ قيل - أخبرنا سفيان عن عبد الرحمن بن حميد عن سعيد ابن المسيب عن أم سلمة رضي الله عنها قالت ^{قالت} قال رسول الله ﷺ: إذا دخل العشر فاراد أحدكم أن يضحى فلا يمس من شعره ولا من بشره شيئاً. (قال الشافعي رحمه الله) وفي هذا الحديث دلالة على أن الضحية ليست بواجبة...“ آپ کے حکم کہ دوبارہ قربانی کرو، میں یہ احتمال ہے کہ قربانی واجب ہے اور آپ کے حکم کا یہ (بھی) احتمال ہے کہ آپ نے اسے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا بشرطیکہ وہ قربانی کرنا چاہیں کیونکہ وقت سے پہلے ذبح کر دینا قربانی نہیں جو جائز ہو، لہذا (قربانی کر کے) وہ بھی قربانی کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا، پھر ہمیں رسول اللہ ﷺ (کی حدیث) سے دلیل مل گئی کہ قربانی واجب نہیں، اسے ترک کرنا حلال نہیں اور یہ سنت ہے جسے لازم پکڑنا ہم پسند کرتے ہیں اور ترک کرنا مکروہ سمجھتے ہیں، واجب نہیں۔ پھر اگر کہا جائے کہ وہ سنت (حدیث) کہاں ہے جو اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے؟ (ہماری طرف سے) کہا گیا: ہمیں سفيان (بن عيينه) نے حدیث بیان کی، انھوں نے عبد الرحمن بن حميد عن سعيد بن المسيب عن أم سلمة رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب عشرہ داخل ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو نہ اپنے بال کاٹے اور نہ ناخن کاٹے۔ (شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:) اس حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی واجب نہیں۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۲۶۳ وسندہ صحیح)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پیش کر کے امام ابن المنذر نے لکھا ہے:

”فالضحية لا تجب فرضاً، استدلالاً بهذا الحديث إذ لو كان فرضاً لم يجعل ذلك إلی إرادة المضحى“ پس اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قربانی واجب فرض نہیں، کیونکہ اگر یہ فرض ہوتی تو اسے قربانی کرنے والے کے ارادے پر موقوف نہ کیا جاتا۔ (الاقناع لابن المنذر ۱/۳۷۶)

قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی نے کہا: "فعلّق الاضحية بالارادة والواجب لا يتوقف عليها، بل هو فرض اراد المكلف او لم يرد." پس آپ نے قربانی کو ارادے پر معلق کیا اور واجب کے بارے میں توقف نہیں کیا جاتا بلکہ وہ فرض ہے مکلف چاہے یا نہ چاہے۔ (احکام القرآن ۴/۱۹۸۹، سورۃ الکوش)

نیز حافظ ابن حزم نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "برهان بأن الاضحية مردودة إلى ارادة المسلم وما كان هكذا فليس فرضاً" دلیل ہے کہ قربانی کو مسلمان کے ارادے پر موقوف کیا گیا ہے اور جس کی یہ حالت ہو وہ فرض نہیں ہوتی۔

(المجلد ۷/۳۵۵ مسئلہ ۹۷۳)

آٹھویں صدی کے ابن الترمذی (م ۲۵۷ھ) نے امام شافعی پر اعتراض کرتے ہوئے دو روایتیں پیش کی ہیں:

اول: "من اراد الجمعة فليغتسل" (الجوہر النقی ۹/۲۶۳)

ان الفاظ سے یہ روایت محل نظر ہے لیکن صحیح مسلم میں درج ذیل الفاظ والی حدیث ہے: "إذا اراد أحدكم أن يأتي الجمعة فليغتسل" جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ جانے کے لئے ارادہ کرے تو غسل کر لے۔ (ج ۸، دار السلام: ۱۹۵۱)

یہاں ارادہ جمعہ پڑھنے یا نہ پڑھنے پر موقوف نہیں بلکہ جمعہ پڑھنے کے لئے روانہ ہونے اور غسل کرنے پر موقوف ہے، جیسا کہ ماوردی نے کہا:

"قلنا: إنما علق بالارادة الغسل دون الجمعة والغسل ليس بواجب فكذلك الاضحية." ہم نے کہا: یہاں ارادہ جمعہ پر نہیں بلکہ غسل پر معلق ہے اور غسل واجب نہیں، پس اسی طرح قربانی بھی واجب نہیں۔ (الحاوی الکبیر للماوردی ج ۱۵ ص ۱۶۱)

دوم: "من اراد الحج فليتعجل" (الجوہر النقی ۹/۲۶۳)

یہاں ارادہ حج کرنے یا نہ کرنے کے ساتھ نہیں بلکہ تعجل یا تاخیر کے ساتھ مشروط ہے۔ عبدالرؤف السنزوی (م ۱۰۳۱ھ) نے لکھا ہے:

”وہذا امر ندبی لان تاخیر الحج عن وقت وجوبه مائع کما علم من دلیل آخر“ اور یہ حکم استنباطی ہے کیونکہ وقت وجوب سے حج کی تاخیر جائز ہے جیسا کہ دوسری دلیل سے ثابت ہے۔ (فیض القدر شرح الجامع الصغیر ۶۳/۱ تحت ج ۸۳۸۲)

یہ دونوں اعتراضات ختم ہوئے اور حدیث مسلم سے استدلال باقی رہا۔ والحمد للہ

(۲) ابوسریحہ (حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ”ان ابا بکر و عمر رضی اللہ عنہما کانا لا یضحیان“ بے شک ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔ (شرح معانی الآثار ۴/۲۷۱ باب من نحر يوم النحر قبل أن ينحر الإمام، وسنده حسن)

ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسریحہ نے فرمایا: میں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ”وما یضحیان“ اور وہ دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار طبع سعید کھنٹی کراچی ج ۲ ص ۳۲۹، سندہ صحیح، مترجم اردو ج ۴ ص ۸۷۸ ج ۳ ص ۳۷۳)

تنبیہ: معانی الآثار میں کاتب کی غلطی سے ابوسریحہ کے بجائے ابوشریحہ لکھا ہوا ہے اور مکتبہ شاملہ میں صحیح حوالہ یعنی ابوسریحہ بھی موجود ہے۔

فائدہ: یہ دونوں روایتیں بطور استدلال پیش کر کے طحاوی (حنفی) نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ عوام کے لئے نماز عید کے بعد اور خلیفہ کے قربانی کرنے سے پہلے بھی قربانی کر لینا جائز ہے۔

معرفة السنن والآثار للبيهقي کی روایت ہے کہ ابوسریحہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں میرے پڑوسی تھے، پس وہ دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(معرفة السنن والآثار ۱۹۸/۷، سندہ حسن، مسند الفاروق لابن کثیر ۳۳۲/۱، و هذا إسناد صحيح)

بیہقی کی السنن الکبریٰ (۲۶۵/۹) میں بھی اس مفہوم کی ایک روایت ہے جس کی سند میں سفیان بن سعید الثوری ہیں اور سند عن سے ہے۔

یہ روایت حنفیہ، دیوبندیہ اور بریلویہ تینوں کے اصول سے بالکل صحیح ہے اور اہل حدیث کے اصول سے سندہ ضعیف لکنہ صحیح لغیرہ ہے۔

اس روایت کی دوسری سند میں اسماعیل بن ابی خالد مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔
امام دارقطنی نے اس روایت کو محفوظ (صحیح) قرار دیا اور فرمایا کہ یہ اسماعیل (بن ابی خالد) نے شععی سے سنی ہے۔ (کتاب العلل ۱/۲۸۶ سوال ۷۶)

نیز دیکھئے الامالی للحاکمی (ج ۳۳۵ دوسرا نسخہ چوتھا حصہ: ۷۹) احکام القرآن لابن العربی (۴/۱۹۸۹) المعجم الکبیر للطبرانی (۳/۱۸۲ ج ۳۰۵۸، مجمع الزوائد ۴/۱۸) اور ارواء الغلیل (۴/۳۵۵ ج ۱۱۳۹)

بعض الناس کا یہ کہنا کہ ان دونوں کے پاس نصاب زکوٰۃ یا مال نہیں تھا، بالکل بے دلیل ہے، جس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ دونوں (رضی اللہ عنہما) اس وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ اسے سنت واجبہ نہ سمجھ لیں، جیسا کہ اس روایت کی بعض سندوں میں آیا ہے۔

۴) اب چند روایات پیش خدمت ہیں جو حنفی، دیوبندی اور بریلوی تینوں کے اصول سے صحیح یا حسن ہیں:

۱: ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے قربانی کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا اور میرے پاس تم سے زیادہ مال موجود ہے، اس خوف کی وجہ سے کہ دل اسے کہیں واجب ضروری نہ سمجھ لے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۶۵)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے (عن منصور واصل) باقی سند صحیح ہے، لہذا حنفیہ و بریلویہ و دیوبندیہ کے اصول سے یہ روایت صحیح ہے۔

۲: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”ما ابالي لو ضحيت بديك“ مجھے کوئی پروا نہیں اگرچہ میں مرغ کی قربانی کر دوں۔ (المؤتلف والمختلف للدارقطنی ۲/۱۰۴)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے، باقی ساری سند صحیح ہے، لہذا ”ح ب د“ تینوں فرقوں کے اصول سے یہ روایت صحیح ہے۔

تنبیہ: یہ روایت مصنف عبدالرزاق (۴/۳۸۲ ج ۸۱۵۶) میں بھی موجود ہے، بلکہ المحلی لابن حزم (۷/۳۵۸ مسئلہ ۹۷۳) میں بحوالہ سعید بن منصور

سفیان ثوری کی متابعت (ابوالاحوص ثقہ) بھی مذکور ہے۔ واللہ اعلم
 ۳: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے ابوالخصیب سے کہا: شاید تم اسے (قربانی کو) حتمی (ضروری، واجب) سمجھتے ہو؟ ابوالخصیب نے کہا: نہیں! لیکن وہ اجر ہے۔ خیر ہے اور سنت ہے۔ تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جی ہاں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۶۶/۹)
 اس روایت کی سند میں بنو قیس بن ثعلبہ کا ایک آدمی ابوالخصیب (زیاد بن عبد الرحمن القیسی) ہیں، جنھیں ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور امام بخاری نے تعلیقات میں ان سے روایت لی۔ (قبل ج ۵۵۴)

حافظ ابن حجر نے ان کی بیان کردہ اس روایت کے بارے میں فرمایا: ”بسند جید إلی ابن عمر“ یعنی ابن عمر تک اچھی سند کے ساتھ۔ (فتح الباری ۳/۱۰ کتاب الاضاحی باب ۱)
 اس سے ثابت ہوا کہ زیاد بن عبد الرحمن صدوق راوی ہیں، لہذا یہ سند حسن ہے۔
 عبد العزیز بخاری (حنفی) نے لکھا ہے: ”وعندنا خبر المجهول من القرون الثلاثة مقبول“ ہمارے نزدیک قرون ثلاثہ (خیر القرون) کے مجہول کی روایت مقبول ہے۔
 (کشف الاسرار ۲/۲۸۶)

نیز دیکھئے حسامی مع النامی (۱/۱۳۳-۱۳۴) اور مسلم الثبوت (ص ۱۹۱)
 آخر میں عرض ہے کہ قربانی کا وجوب صراحۃً کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی یا تابعی نے اسے واجب قرار دیا ہے، بلکہ اس مضمون میں سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے اس کا عدم وجوب ثابت ہے، لہذا قربانی سنت موکدہ ہے اور اسے ترک نہیں کرنا چاہئے۔

قربانی کا سنت یا مستحب ہونا امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور جمہور علماء سے صراحۃً ثابت ہے، جبکہ اس کا واجب ہونا نہ کسی صحابی سے ثابت ہے، نہ کسی تابعی سے ثابت ہے اور نہ امام ابو حنیفہ ہی سے ثابت ہے۔ وما علينا إلا البلاغ
 (۱۰/ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۷/ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

ابو عبد اللہ شعیب محمد (یا لکوث)

أصول حدیث اور بریلویت

احادیث نبویہ اور آثارِ سلف صالحین سے استدلال کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی روایات ہوں۔ جو روایات تحقیق کے نتیجے میں ضعیف یا شاذ قرار پائیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔ اسی طرح بلا سند روایات کو بطور حجت پیش کرنا یا ان پر اپنے عقائد و اعمال کی بنیاد رکھنا، سوائے گمراہی و ضلالت کے کچھ نہیں۔

اہل بدعت و دشمنانِ اسلام کا بڑا ہتھیار یہی ضعیف و مردود روایات ہیں، جن کے سہارے وہ اہل ایمان کو شبہات میں مبتلا کرتے ہیں۔ فی الحال اس بارے میں تفصیلی دلائل بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ اس بارے میں اہل علم کی متعدد کتب و مضامین مصدّر شہود پر آچکے ہیں اور اردو میں بھی اس پر کافی مواد موجود ہے۔

اس مضمون کا مقصد صرف یہ ہے کہ بریلوی علماء و محققین کی وہ تصریحات و عبارات پیش کر دی جائیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی روایت سے استدلال کے لئے جن اصول حدیث کو بنیاد بنایا جاتا ہے وہ ان حضرات کے ہاں بھی تسلیم شدہ ہیں۔ نیز کسی روایت کو اصول حدیث کے تحت ضعیف قرار دے کر اسے ناقابلِ حجت قرار دینا، ان کے ہاں بھی معتبر ہے۔ اس ضمن میں بریلوی کتب سے دیگر اصول حدیث کا تذکرہ بھی آجائے گا کہ جن سے نظریں پڑا کر بریلوی حضرات ضعیف و مردود روایات کو بھی گلے لگائے بیٹھے ہیں اور جس کے نتیجے میں گمراہ کن عقائد و اعمال کا شکار ہیں۔

(۱) سند کی اہمیت

بریلوی ”اعلیٰ حضرت“ احمد رضا خان قادری نے امام عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ کے ایک قول کے بارے میں لکھا:

”امام عبد الرشید بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ اولیاء و علماء و محدثین و فقہاء سب کے امام

ہیں۔ فرماتے ہیں:

لو لا الاسناد لقال في الدين من شاء ما شاء
اگر سند کا سلسلہ نہ ہوتا تو جو شخص چاہتا دین میں اپنی مرضی کی بات کرتا پھرتا۔“ (احکام شریعت،
حصہ اول، الجواب مسئلہ ۵۸، ص ۱۴۶، اکبریک سٹریٹ لاہور، دوسرا نسخہ ص ۱۳۳، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)
اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی دینی مسئلہ کی، بالخصوص روایات و احادیث میں اسناد کی
حیثیت مسلمہ ہے۔

۲۔ بریلویوں کے ”محقق عصرِ دوراں“ شاہ حسین گردیزی نے لکھا: ”متن حدیث کی صحت
ضعف، سند و اسناد پر موقوف ہے۔“ (الذنب فی القرآن ص ۴۹۴)

۲) بلا سند روایات قابل قبول نہیں

۱۔ احمد رضا خان بریلوی نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ایک بات کو یاد رکھنے کے لائق قرار
دیتے ہوئے بطور حجت لکھا:

”اہلسنت کے ہاں حدیث وہی معتبر ہے جو محدثین کی کتب احادیث میں صحت کے ساتھ
ثابت ہو، ان کے ہاں بے سند حدیث ایسے ہی ہے جیسے بے مہار اونٹ، جو کہ ہرگز قابل
سماعت نہیں۔ (ت)“ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۵۸۵)

بریلوی اعلیٰ حضرت کی اس یاد رکھنے والی بات سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی روایت محض
اس لئے قبول نہیں کر لی جائے گی کہ وہ علماء و محدثین کی کتب میں لکھی ہوئی ہے، بلکہ کسی معتبر
کتاب میں ہونے کے باوجود ضروری ہے کہ وہ حدیث با سند ہو نیز وہ سند بھی صحت کے
ساتھ ثابت ہو، ورنہ بے سند روایت تو اس قابل بھی نہیں کہ اسے سنا ہی جائے۔

۲۔ بریلوی ”عالم و محقق علامہ“ محمد عباس رضوی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا:
”ہرگز صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہے اگر ہے تو اس کی سند بیان کریں کیونکہ سند کے
بغیر تو کوئی روایت بھی قابل حجت نہیں ہوتی۔“ (مناظرے ہی مناظرے ص ۳۰۰)

۳۔ بریلویوں کے ”مناظر اسلام“ غلام مصطفیٰ نوری نے ایک واقعہ کے بارے میں لکھا:

”یہ سارا واقعہ ہی بے سند ہے جزء رفع یدین میں اس کی کوئی سند نہیں ہے، بے سند باتوں کا کیا اعتبار، البتہ سنن کبریٰ میں اس کی سند ہے لیکن اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں... تو ایسے مجہول راویوں اور بے سند روایات کو پیش کرنا کتنے تعجب کی بات ہے اور کہاں کا انصاف ہے۔“ (ترک رفع یدین ص ۴۳۸، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

ایک اور جگہ مذکورہ نوری بریلوی نے کہا:

”امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس اثر کی کوئی سند ذکر نہیں فرمائی... اگر اس کی سند ذکر کی ہوتی تو کچھ عرض کیا جاتا۔ بے سند باتوں کا کیا اعتبار ہے۔“ (ترک رفع یدین ص ۴۳۴)

غور و فکر کا مقام یہ ہے کہ جب امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ کوئی روایت، کوئی اثر بلا سند قابل اعتبار نہیں تو اور کون ہے کہ جس کی پیش کردہ کسی بھی روایت کو بغیر سند کے ہی قبول کر لیا جائے؟

لہذا مختلف موضوعات پر بریلوی حضرات کی جانب سے محض علماء و محدثین کے ناموں کا وزن ڈال کر ان کے حوالے سے بلا سند روایات کو بطور دلیل پیش کرنا، سوائے تحکم اور سیدہ زوری کے کچھ بھی نہیں۔

۳) موضوع روایت کا حکم و بیان

۱۔ احمد رضا خان بریلوی نے لکھا:

”علماء تصریح فرماتے ہیں کہ حدیث موضوع کی روایت بے ذکر و ذکر انکارنا جائز ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۲۹)

۲۔ بریلویوں کے ”فقہیہ اعظم“ شریف الحق امجدی نے کہا:

”موضوع، یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ کہیں لائق اعتبار حتیٰ کہ فضائل میں بھی بلکہ اسے حدیث کہنا بھی بطور مجاز ہے۔ حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں۔“

(نزہۃ القاری شرح بخاری بحوالہ ترک رفع یدین ص ۵۴)

۳۔ بریلوی مناظرہ ”محقق علامہ“ عباس رضوی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا:

”یہ اثر صرف ضعیف ہی نہیں موضوع ہے اور موضوع کو بغیر یہ بتائے کہ یہ موضوع ہے بیان کرنا حرام ہے۔“

ایسی موضوع روایات کو پیش کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔“

(مناظرے ہی مناظرے ص ۳۰۷)

۴) ضعیف روایات قابل حجت نہیں

۱۔ بریلوی حضرات کے ”غزالی زماں“ احمد سعید کاظمی نے لکھا:
”دونوں روایتیں از روئے درایت و روایت صحیح نہیں اس لئے اس سے معارضہ کرنا باطل ہے۔“ (مقالات کاظمی ج ۱ ص ۱۳۸)

۲۔ بریلویوں کے مشہور ”شیخ الحدیث علامہ“ غلام رسول سعیدی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا: ”اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔“
(نعمۃ الباری فی شرح معجم البخاری ج ۲ ص ۱۳۶)

۳۔ بریلویوں کے ”مناظر اعظم و جنید زمان“ محمد عمر اچھروی نے کہا:
”یہ حدیث ضعیف ہے۔ حجت نہیں ہو سکتی۔“ (مقیاس النبوت ج ۱ ص ۱۸)
۴۔ بریلوی ”حکیم الامت“ احمد یار خان نعیمی کے صاحبزادہ و جانشین ”مفتی“ اقتدار احمد خان نعیمی نے لکھا: ”یہ روایت ضعیف ہے اور ضعیف روایت پر اعتماد نہیں ہوتا۔ نہ اس سے دلیل پکڑنی جائز ہے۔“ (الخطایہ الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ج ۲ ص ۱۳۶)

۵۔ بریلوی ”اعلیٰ حضرت“ احمد رضا خان قادری نے ایک حدیث کے بارے میں کہا:
”یہ حدیث بھی لائق احتجاج نہیں۔“

اولاً اس کی سند ضعیف ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۲۷۹)

ان تمام بریلوی حوالہ جات سے بخوبی واضح و روشن ہے کہ ضعیف روایات ہرگز ہرگز قابل احتجاج نہیں اور نہ ان سے دلیل پکڑنی جائز ہے، لہذا اس تسلیم شدہ امر کے پیش نظر بریلوی ”حضرات“ کا اپنے موافق و مفید مطلب ضعیف روایات کو پیش کرنا اور ان سے

استدلال کرتے ہوئے اپنے عقائد و نظریات ثابت کرنا سعی لا حاصل ہے۔ ان بریلوی ”حضرات“ سے گزارش ہے کہ ضعیف احادیث کے سہارے اپنے عقائد و اعمال کو ثابت کرنے سے پہلے اپنے ہی علماء و اکابرین کی اوپر پیش کردہ عبارات کے ساتھ ساتھ اپنے ”اعلیٰ حضرت“ کے اس فرمان کو بھی ہمیشہ مد نظر رکھیں:

”ضعیف حدیثیں جہاں قبول کی جاتی ہیں وہاں ان کے قبول کرنے میں راز یہ ہے کہ وہاں ضعیف حدیثیں کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں“ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۷۲۶)

معلوم ہوا کہ بریلوی ”اعلیٰ حضرت“ کا ماننا ہوا اصول، ضعیف احادیث کے بارے میں یہی ہے کہ ضعیف احادیث سے کوئی غیر ثابت چیز ہرگز ثابت نہیں کی جاسکتی، لہذا اس رضا خانی اصول کے پیش نظر بھی اپنے غیر ثابت عقائد و اعمال کے لئے ضعیف و مردود روایات کو جمع کرنا محض بے فائدہ و بیکار ہے۔

فائدہ: ضعیف اور موضوع روایات کو پیش کر کے عوام کو دھوکا دینے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ بریلویوں کے ”جانشین حکیم الامت مفتی“ اقتدار احمد خان نعیمی نے لکھا:

”مگر مخالف اہل سنت اکثر اپنے استدلال میں ضعیف اقوال موضوع روایتیں اور غلط تاویلیں پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں پاتے۔“ (العیاض الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ج ۲ ص ۱۳۷)

چنانچہ ضعیف اور موضوع روایات پیش کرنے والے اس نکتہ کو بھی ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ یہ اہلسنت کا نہیں بلکہ مخالفین اہلسنت کا طریقہ ہے۔

۵) ضعیف روایات پر علماء و محدثین کا اعتماد

۱۔ کسی عالم یا محدث کا محض کسی روایت کو اپنی کتاب میں درج کر دینا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ روایت کرنے والے کے نزدیک یہ صحیح بھی ہے یا اس کا عقیدہ و مذہب بھی اس کے مطابق ہے۔ چنانچہ بریلویوں کے مشہور پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے لکھا ہے:

”اصحاب روایت کے مد نظر فقط روایت کے سلسلے کو بیان کرنا ہے جو اُن کو ملا۔ اس روایت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کا مذہب بھی یہی ہے۔“ (سیفِ چشتیائی ص ۱۱۲)

۲۔ پھر اگر علماء کا کسی روایت پر اعتماد کرنا ثابت بھی ہو تو بریلوی ”اعلیٰ حضرت“ احمد رضا خان قادری نے ایسی ایک روایت کے بارے میں کہا:

”اجلہ علماء نے اس پر اعتماد (کیا).... مگر تحقیق یہ ہے کہ وہ حدیث ثابت نہیں۔“

(ملفوظات، حصہ دوم ص ۲۲۰، فرید بک سٹال لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ علماء کا سہواً کسی حدیث کو صحیح قرار دے دینا یا اس پر اعتماد کر لینا اس حدیث کو صحیح نہیں بنا دیتا بلکہ عدم ثبوت کی صورت میں وہ غیر ثابت ہی قرار پائے گی۔

۳۔ کوئی امام یا محدث اگر کسی ایسی روایت کو حسن یا صحیح قرار دے جو تحقیق و اصول حدیث کی روشنی میں ضعیف قرار پائے تو ترجیح اصول و تحقیق کو ہوگی، چنانچہ بریلوی ”اعلیٰ حضرت“ احمد رضا خان بریلوی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا:

”اس کی سند ضعیف ہے اگرچہ ترمذی نے اس کی تحسین کی اس میں ابوصالح باذام ہے“

(السدۃ الاثیفہ فی فتاویٰ افریقہ ص ۶۶)

معلوم ہوا کہ جو روایت اصول حدیث و تحقیق کی روشنی میں ضعیف قرار پائے اس روایت کو کسی امام یا محدث کا حسن قرار دینا کوئی قاعدہ و کلیہ نہیں، چنانچہ بریلویوں کے ”فاضل محدث“ عباس رضوی بریلوی نے لکھا:

”کسی کے ضعیف حدیث کو صحیح اور صحیح کو ضعیف حدیث کہہ دینے سے وہ ضعیف صحیح نہیں

ہو جاتی“ (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۹۲)

لہذا اختلاف کی صورت میں ترجیح اصول و تحقیق کو ہی ہوگی۔

لطیفہ: بریلوی علماء کی عام عادت ہے کہ جب ان کی پیش کی ہوئی روایات کو تحقیق و اصول حدیث کی روشنی میں بھی ضعیف ثابت کر دیا جائے تو محض عوام کو دھوکہ دینے کے لئے یہ شور کرتے ہیں کہ ”لو جی! وہابیوں نے اس حدیث کو بھی ضعیف کہہ دیا ہے جس کو بڑے بڑے محدثین نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔“

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ ان غیر تحقیقی اور دھوکا دہی پر مبنی باتوں کی علمی میدان میں

کوئی وقعت نہیں اور یہ کام تو خود بریلوی ”اعلیٰ حضرت“ سے بھی ثابت ہے کہ امام ترمذی کی حسن قرار دی ہوئی روایت کو ضعیف قرار دے دیا۔ مزید عرض یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر اور کسی کتاب کو تو چھوڑیے، بریلوی اکابر ان کتابوں کی احادیث صحیحہ پر طعن کرنے اور انہیں ضعیف قرار دینے سے بھی باز نہیں آتے جن کی صحت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

چنانچہ بریلویوں کے ”حکیم الامت“ احمد یار خان نعیمی نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک صحیح روایت کے بارے میں ایک دوسرے رسالے سے باتا سید لکھا:

”چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں۔“ (جاء الحق، حصہ دوم، باب ۶، فصل ۲، جواب اعتراض نمبر ۶، ص ۳۵۹)

اسی طرح بریلویوں کے ”جنید الزماں و مناظر اسلام“ عمر اچھروی نے کہا:

”یہ حدیث شریف بخاری شریف میں تین مقامات پر موجود ہے۔ اور تینوں کے اسناد ضعیف ہیں۔“ (مقیاس النبوت، حصہ اول ص ۱۷)

نوٹ: بریلویوں کے مصدق مستند عالم و فقیہ علامہ عینی حنفی نے کہا: مشرق و مغرب کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد بخاری و مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۵)

تنبیہ: درج بالا حوالہ جات میں احمد یار خان نعیمی بریلوی اور عمر اچھروی بریلوی نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی جن روایات کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ حقیقت میں بالکل صحیح ہیں۔

تفصیل کا موقع نہیں، مگر یہاں ان حوالہ جات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب بریلوی حضرات کا معیار تحقیق اس قدر بلند ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی روایات صحیحہ بھی کہ جن کی صحت پر ایک عالم جمع ہے، ضعیف قرار پا جاتی ہیں تو ان کے علاوہ اور کسی امام یا محدث کا کسی ضعیف روایت کو صحیح قرار دینا یا محض اپنی کتاب میں درج کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

۶۔ بریلویوں کے تسلیم شدہ چند دیگر اصول تحقیق

۱۔ احمد رضا خان بریلوی نے ”حدیث معلول“ کے متعلق لکھا:

”اُس کے لئے کچھ ضعیف راوی ضرور نہیں بلکہ باوصف وثاقت و عدالت رواق حدیث میں علت قاذحہ ہوتی ہے کہ اس کا رد واجب کرتی ہے جسے بخاری و ابوداؤد وغیرہما جیسے ناقدین پہچانتے ہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۰۶)

گویا کہ اگر کسی روایت کو امام بخاری و امام ابوداؤد یا ان جیسے نقاد محققین معلول قرار دے دیں تو اس کے لئے اس روایت میں کسی راوی کا ضعیف ہونا ضروری نہیں کیونکہ معلول روایت تو ہوتی وہ ہے کہ جو کسی ثقہ و ثبت راوی کی غلطی یا کسی دیگر علت قاذحہ کی بنا پر ضعیف قرار دی جاتی ہے اور اس علت قاذحہ کو امام بخاری و امام ابوداؤد جیسے ماہرین فن پہچان لیتے ہیں اور اس روایت کو اس علت کی بنا پر ضعیف قرار دیتے ہیں۔

۲۔ احمد رضا خان بریلوی نے ”زیادت ثقہ“ کو قبول کرنے کے متعلق لکھا:

”جو ایک ثقہ راوی کا اضافہ ہے اور اس کا قبول کرنا واجب ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۹۳)

اس بارے میں بریلوی ”محقق علامہ“ عباس رضوی بریلوی نے لکھا:

”اور ثقہ کا تفرّد مضرب نہیں۔“ (واللہ آپ زندہ ہیں ص ۱۶۰)

معلوم ہوا کہ بریلوی حضرات کے نزدیک بھی ثقہ کا تفرّد ہرگز مضرب نہیں بلکہ ”زیادت

ثقہ“ کو قبول کیا جائے گا۔

۳۔ بریلویوں کے ”فقہ اعظم“ ابو یوسف محمد یوسف کوٹلوی نے لکھا:

”چنانچہ علم حدیث میں یہ بات مختار ہے کہ جب رفع اور وقف میں تعارض ہو تو رفع کو حکم ہوتا

ہے۔“ (فقد الفقہ ص ۲۵۴)

”جب ثقہ کسی حدیث کو مرفوع کرے تو وقف کرنے والے کا وقف مضرب نہیں ہوتا۔“

(فقد الفقہ ص ۲۵۵)

مراد یہ کہ اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ اختلاف واقع ہو جائے کہ یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف تو اگر مرفوع بیان کرنے والا اللہ ہے تو حکم مرفوع کا ہوگا۔

۴۔ مرسل کا حکم

مرسل روایت کے متعلق جمہور ائمہ و محدثین کا موقف یہی ہے کہ ایسی روایت ضعیف ہوتی ہے اور ہرگز حجت نہیں۔

(تفصیلی حوالہ جات کے لئے دیکھئے فتاویٰ علیہ: ۲/۲۹۰، از حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ)

مگر بریلوی علماء و مناظرین مرسل روایات کو صحیح قرار دے کر بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ پھر اصولی بات یہ ہے کہ جب اپنے خلاف ایسی ہی مرسل روایات آجائیں تو پھر چاہئے کہ ان کو بھی مانا جائے لیکن اپنے موقف کے خلاف آنے پر بریلوی علماء مرسل کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

۱: بریلویوں کے ایک اور ”محقق دوراں“ شاہ حسین گردیزی نے لکھا:

”اور کسی روایت کا مرسل ہونا اس کا سقم ہے... اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حنفیہ کے ہاں مرسل مقبول ہوتی ہے تو عقائد و نظریات میں حنفیہ اس سے استدلال نہیں کرتے“

(الذنب فی القرآن ص ۶۱۹)

۲: بریلویوں کے ”جانشین حکیم الامت مفتی“ اقتدار احمد نعیمی نے عقائد و نظریات کے علاوہ احکام سے متعلقہ ایک روایت کے بارے میں بھی لکھا:

”اور مرسل روایت (بدیں وجہ کہ مشکوک ہوتی ہے) اس لیے وہ دلیل نہیں بن سکتی۔“

(العتابۃ الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ج ۱ ص ۲۱۸)

نیز مزید واضح الفاظ میں لکھا: ”اور مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے۔ امام شافعی اور

جمہور محدثین اس سے دلیل پکڑنا منع کرتے ہیں۔“ (العتابۃ الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ج ۱ ص ۲۱۸)

۳: یہ بات تو بریلوی مقلدین کے ”امام“ احمد رضا خان قادری کو بھی تسلیم ہے کہ

”اور محدثین کا کلام ان کے اپنے اصول پر جاری ہے کہ مرسل حدیثیں اور اہل تدلیس کا

عنہ مطلقاً مقبول ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۵۴۵)

۵۔ مدلس کی معصن روایت کا حکم

۱: احمد رضا خان بریلوی نے لکھا:

”اور عنہ مدلس اصولی محدثین پر نامقبول۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۶۶)

ایک جگہ بریلوی ”اعلیٰ حضرت“ نے لکھا: ”اور عنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و

معتمد میں مردود و نامستند ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۴۵)

مزید ایک اور جگہ لکھا: ”اور مدلس کا عنہ محدثین قبول نہیں کرتے۔“

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۱۶۶)

۲: بریلویوں کے ”فقیہ اعظم“ ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی نے لکھا:

”مدلس کی معصن قابل حجت نہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۳۰)

۳: بریلوی ”علامہ مفتی“ شاہ حسین گردیزی نے لکھا:

”یعنی علماء حدیث اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ مدلس جس روایت کو ”عن“ سے

روایت کرے گا اسے رد کر دیا جائے یعنی اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔“

(الذنب فی القرآن ص ۶۱۰-۶۱۱)

ایک اور جگہ لکھا: ”اور مدلس کی عنہ کے غیر مقبول ہونے پر علماء اصول حدیث کا اجماع

ہے۔“ (الذنب فی القرآن ص ۶۲۱)

۴: عباس رضوی بریلوی نے لکھا:

”اور راوی جو کہ مدلس ہوا اگر وہ عن سے روایت کرے تو بالاتفاق مردود ہے۔“

(مناظرے ہی مناظرے ص ۱۸)

ایک اور جگہ لکھا: ”اور مدلس راوی جب ”عن“ سے روایت کرے تو وہ بالاتفاق مردود ہو

گی۔“ (آپ زندہ ہیں واللہ ص ۳۶۸)

۵: بریلوی ”عالم“ و مناظر غلام مصطفیٰ نوری نے لکھا:

”یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ مدلس جب عن سے روایت کرے تو اس کی روایت حجت نہیں ہوتی۔“ (تزک رفیع یدین ص ۳۳۶)

۷) طبقہ ثانیہ کے مدلسین اور بریلوی علماء

اوپر پیش کئے گئے حوالہ جات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ بریلوی علماء و اکابرین مدلسین کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور بالکل حجت نہیں سمجھتے۔ مگر کچھ چالاک قسم کے بریلوی، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے مقرر کردہ طبقہ ثانیہ و ثالثہ کی بحث چھیڑ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ہاں طبقہ ثانیہ کے مدلسین کی معنعن روایات حجت ہیں۔ لہذا اب ذیل میں وہ حوالہ جات پیش خدمت ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ بریلوی علماء طبقہ ثانیہ کے مدلسین کی معنعن روایات کو بھی ضعیف قرار دیتے ہیں اور حجت تسلیم نہیں کرتے۔

۱۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو مدلسین کے طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۲/۵۱، الفتح المبین ص ۳۹)

بریلوی ”اعلیٰ حضرت“ کے خلیفہ مجاز محمد شریف کو ٹلوی نے لکھا:

”اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔“ (فقاہ الفقہ ص ۱۳۳)

بریلوی عالم و محقق عباس رضوی بریلوی نے ایک روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:

”یعنی سفیان مدلس ہے اور یہ روایت انہوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی

ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے“ (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۳۹)

فائدہ: بریلویوں کے ”امام“ احمد رضا خان قادری نے لکھا:

”رہا معاملہ سفیان ثوری کا تو وہ باوجود علمی وسعت اور ورع وتقویٰ کے نرمی کرتے

ہوئے رخصت دیتے اور ضعفاء سے روایت کرتے ہیں ان کے شاگرد شعبہ نے کہا ہے کہ

ثوری سے روایت نہ لو مگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم جانتے ہو کیونکہ وہ پرواہ نہیں

کرتے کہ وہ کس سے حدیث اخذ کر رہے ہیں...“ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۱۱)

۲۔ سلیمان الأعمش رحمہ اللہ کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے طبقات المدلسین میں طبقہ ثانیہ کے مدلسین میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۲/۵۵، الفتح المبین ص ۴۲)
مگر عباس رضوی بریلوی نے ایک روایت پر تنقید کرتے ہوئے صاف لکھا:
”ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگرچہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔“

(آپ زندہ ہیں واللہ ص ۳۵۱)

مزے کی بات یہ ہے کہ بریلوی مناظر عباس رضوی صاحب نے اس کے فوراً بعد اعمش کے مدلس ہونے پر بنیادی حوالہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی ”طبقات المدلسین“ سے ہی دیا ہے۔ جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک بھی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے طبقات مدلسین کوئی اصول و قاعدہ نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے طبقہ ثانیہ کے مدلس کی روایت بھی ضعیف اور مردود ہے۔

مشہور بریلوی عالم و محقق عبدالحکیم شرف قادری نے اپنے ”مناظر اہلسنت“ عباس رضوی کے بارے میں لکھا: ”وسیع النظر عدیم النظر فاضل محدث“ (آپ زندہ ہیں واللہ ص ۲۵)
۳۔ شریک بن عبد اللہ القاضی کو بھی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مدلسین کے طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۲/۵۶، الفتح المبین ص ۴۲)

مگر ان کے متعلق احمد رضا خان بریلوی نے ایک روایت پر اعتراض کرتے ہوئے بطور دلیل لکھا:

”تہذیب التہذیب میں کہا کہ عبدالحق اشمیلی نے فرمایا: وہ مدلیس کیا کرتا تھا۔ اور ابن القطان نے فرمایا: وہ مدلیس میں مشہور تھا اھ۔“ (قادی رضوی ج ۲۳ ص ۲۳۹)
معلوم ہوا کہ بریلوی ”اعلیٰ حضرت“ کے نزدیک بھی طبقہ ثانیہ کے مدلس کی روایت حجت نہیں بلکہ طعن والی ناقابل قبول روایت ہے۔

[ختم شد]

نوید شوکت (ڈربی، برطانیہ)

اشرف آصف جلالی اور ضعیف قصہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الامين، أما بعد:

”ڈاکٹر“ اشرف آصف جلالی صاحب اپنے گمراہ کن عقائد کو ثابت کرنے کے لئے ضعیف، مردود اور غیر ثابت قصے کہانیاں اور روایات بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے عقیدہ توحید سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے ورقہ بن نوفل کا واقعہ بیان کر کے اپنے باطل عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جلالی صاحب نے النہایہ سے یہ واقعہ بیان کیا ہے: ”ورقہ بن نوفل بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جب ان کو تکلیف دی جاتی تھی، پس انھوں (ورقہ بن نوفل) نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم نے اس (بلال رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا تو میں اس کی قبر کو حنان بناؤں گا۔ ابن الاثیر نے حنان کا مطلب بیان کیا: رحمت، مہربانی، رزق اور برکت۔ اس (ورقہ) نے ارادہ کیا کہ میں اس کی قبر کو حنان کی جگہ بناؤں گا یعنی اللہ کی رحمت کا گہوارہ، میں اس کو چھوؤں گا بطور تبرک جس طرح چھوا جاتا تھا اگلی امتوں کے صالحین کی قبروں کو جن کو شہید کیا گیا، اللہ کی راہ میں بس یہ لوگوں کے ہاں تمھارے لیے عار اور گالی بن جائے گا۔

جلالی صاحب نے کہا: یہ پندرہویں صدی کے ملنگوں کی بات نہیں، توحید کے پرستاروں کی بات ہے۔ جب بلال اذان توحید دے رہے تھے اور ورقہ حمایت کر رہے تھے۔ اے مکہ کے مشرک! ورقہ توحید پرست تمھیں دھمکی دے رہا ہے۔ اگر تم نے جرم محبت میں حضرت بلال کو شہید کر دیا تو بلال کی قبر پر بھی عاشقوں کا جھوم رہے گا، اب یہ دھمکی ہے کہتے ہیں: میں ان کی قبر کو حنان بناؤں گا۔ حنان کا معنی کیا، جیسے پہلی امتوں کے شہیدوں کی قبروں پر رش رہتا تھا اور ان سے تبرک حاصل کیا جاتا تھا ایسے بلال بھی ہوں گے۔ ان کی قبر پر بھی جھوم ہوگا۔ اگر یہ شہید کر دیے تم نے تو میں ان کی قبر کو ہاتھ لگا کر چوموں گا میرا چومنا تم کو گالی لگے گا

میرے چومنے سے تم شرمائو گے جب بلال کی قبر کی میں تعظیم کروں گا تو اس سے تم شرم میں ڈوب جاؤ گے۔ یہ تمہارے لیے گالی بن جائے گا۔ لاہور کی سرزمین پر حضرت ورقہ کی نیابت میں میں کہتا ہوں: اے جعلی توحید پرستو میں داتا کی قبر پر حاضری دوں گا۔ آج تم شرم سے ڈوب جاؤ گے۔ دیکھو یہ میری چھپی ہوئی کتاب نہیں یہ میری لکھی ہوئی کتاب نہیں یہ چھٹی صدی کے امام کی کتاب ہے۔ یہ بات حضرت ورقہ بن نوفل کی توحید پرست زبان سے نکلی ہوئی بات ہے۔“

آخر میں کہتے ہیں: ”یہاں یہ ایک وضاحت کی بھی ضرورت ہے شاید کسی کے ذہن میں آ رہا ہو کہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت ورقہ کا جلد وصال ہو گیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کلمہ بعد میں پڑھا۔ یہ میرے پاس فتح الباری شرح صحیح البخاری موجود ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ماخذ میں بھی اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ فتح الباری میں باقاعدہ لکھا ہے کہ سیرت ابن اسحاق میں ہے اور باقاعدہ انھوں نے سوال کر کے جواب دیا کہ و فسر الوحی میں داؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے اور شاید راوی کو آخری بات یہی یاد ہے۔ حضرت ورقہ کی وحی کے بعد نبی ﷺ سے گفتگو ہوتی تھی اس کے بعد راوی کو پتا نہیں کہ حضرت ورقہ کتنی دیر زندہ رہے یا ان کا وصال ہو گیا تو اس صورت حال پر امام ابن حجر نے واضح طور پر اس کی شرح کے اندر لکھا کہ حضرت ورقہ کو اس زمانے میں زندہ ماننا جب حضرت بلال توحید کی اذانیں دے رہے تھے یہ دوران تحقیق نہیں مگر راوی کے علم میں نہیں۔ میں نے یہ وضاحت اس لیے کر دی تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ تمہیں تو تاریخ کا ہی پتا نہیں ورقہ کب تھے اور بلال کب تھے۔ باقاعدہ ان محققین نے اس کے جواز پر تشریح کی ہے اور میں یہ وضاحت کر رہا ہوں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس امت کے اولین پرستاروں میں سے ہیں اور حضرت ورقہ اس وقت توحید پرست ہیں اور لوگوں کو بتا رہے ہیں کہ اگر بلال کو شہید کر دیا گیا تو میں بلال کی قبر سے تبرک لے کر تمہیں بتاؤں گا کہ قبروں سے تبرک لینے والے مشرک نہیں توحید پرست ہوتے ہیں۔“ (انتہی کلامہ)

جلالی کی لفاظی کے علاوہ یہ قصہ مختلف کتابوں میں موجود ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: محمد بن اسحاق بن یسار نے اس کو اپنی سیرت میں اس طرح روایت کیا ہے:

قال حدثني هشام بن عروة عن أبيه قال: كان ورقة بن نوفل .. إلخ

(ج ۱ ص ۲۲۷)

۲: حلیۃ الاولیاء میں اس کی سند اس طرح ہے: عن محمد بن اسحاق قال:

حدثني هشام بن عروة بن الزبير عن أبيه . إلخ (ج ۱ ص ۱۳۷-۱۳۸)

۳: اس کے علاوہ الکامل لابن الاثیر میں بغیر سند کے یہ قصہ موجود ہے۔ (ج ۱ ص ۵۸۹)

۴: سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کی سند سے مذکور ہے۔ (ج ۱ ص ۳۲۰)

۵: البدایہ والنہایہ لابن کثیر (ج ۳ ص ۵۷)

مراجع مذکورہ میں اس قصے کا اصل ماخذ سیرت ابن اسحاق ہے باقی جتنی کتابوں میں ہے، سب نے سیرت ابن اسحاق سے ہی نقل کیا ہے۔

اس روایت کو محمد بن اسحاق کے علاوہ امام لیث بن سعد المصری نے بھی ہشام بن عروہ عن ابیہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (عیون الاثر لابن سید الناس ۱/۱۱۴)

نیز عبد الرحمن بن ابی الزناد نے بھی عروہ بن الزبیر رحمۃ اللہ سے بیان کیا ہے۔

(زبیر بن بکار بحوالہ الاصابۃ لابن حجر ۳/۶۳۳ ت ۹۱۳۱)

یہ روایت اپنی تینوں سندوں کے ساتھ منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کو بیان کرنے والے عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ) ہیں جو ورقہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دنیا میں موجود ہی نہیں تھے، بلکہ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۵۱۱)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہادتِ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یعنی ۲۳ ہجری میں خلیفہ ہوئے تھے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ شہادتِ عمر سے پہلے ۲۰ ہجری یا اس سے پہلے ملک شام میں فوت ہو گئے تھے، لہذا عروہ رحمہ اللہ کی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت بھی منقطع ہے۔

ثابت ہوا کہ یہ روایت منقطع ہے اور منقطع روایت بالاتفاق ضعیف ہوتی ہے۔
 طحاوی حنفی نے امام ابو حنیفہ وغیرہ سے ایک حدیث کی مخالفت نقل کر کے لکھا ہے:
 ”وكان الحجة لهم في ذلك ان هذا الحديث منقطع.“ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ
 یہ حدیث منقطع ہے۔ (شرح معانی الآثار ۲/۱۶۳، باب الرجل يسلم في دار الحرب وعنده اكثر من اربع نسوة)
 یعنی طحاوی کے نزدیک امام ابو حنیفہ منقطع کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

حافظ ذہبی نے بھی لکھا ہے: ”فلا عبرة بالقول المنقطع“
 منقطع قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ (میزان الاعتدال ۳/۴۱۶، کہس بن الحسن)
 ڈاکٹر محمود الطحان نے لکھا ہے: ”المنقطع ضعيف باجماع العلماء لفقده شرطاً
 من شروط القبول وهو اتصال السند و للجهل بحال الراوي المحذوف.“
 علماء کا اجماع ہے کہ منقطع ضعیف ہے کیونکہ صحیح حدیث کی ایک شرط: اتصال سند اس میں
 مفقود ہے اور حذف شدہ راوی کا حال بھی معلوم نہیں۔ (تیسرے مطبع الحدیث ص ۶۵)
 حافظ ابن حجر اور غلام رسول سعیدی (نعمۃ الباری ۱/۱۳۸) وغیرہما کا اس منقطع
 روایت کو ”مرسل جید“ قرار دینا اصول حدیث کی رو سے غلط ہے۔

جب یہ روایت ہی ضعیف ہے اور اس کا ضعیف ہونا اصول حدیث کی رو سے ثابت کر
 دیا گیا ہے تو حافظ ابن اثیر کی تشریح حنان اور حافظ ابن حجر کی عبارت فتح الباری کی کوئی
 حیثیت باقی نہیں رہتی، لہذا اس پر بحث کرنا کہ سیدنا ورقہ سیدنا بلال کے اسلام لانے کے
 وقت زندہ تھے یا نہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

نیز یہ ضعیف روایت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ثابت شدہ درج ذیل صحیح قول کے
 خلاف ہے:

”ثم لم ينشب ورقة أن توفي و فتر الوحي“ پھر اس کے بعد ورقہ زیادہ دن زندہ نہ
 رہے (یعنی جلدی فوت ہو گئے) اور وحی کا نزول رک گیا۔ (صحیح بخاری ۳: ۳۹۵۳، ۶۹۸۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مصنف عبد الرزاق (۳۲۲/۵ ح ۹۷۱۹، دوسرا نسخہ: ۹۷۸۲) مسند احمد (۶/۲۳۳ ح ۲۵۹۵۹) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۳) صحیح ابی عوانہ (۱/۱۱۱ ح ۲۴۵) کتاب الایمان لابن مندہ (۶۸۳) دلائل النبوة للبيهقي (۲/۱۳۷) شرح السنہ للبيهقي (۱۳/۳۱۸ ح ۳۷۳۵) وقال: هذا حديث متفق على صحته (وغیر ذلک)

یہ قول بہت سی کتابوں میں ہے اور اسے راوی کا قول کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اور اس صحیح و ثابت قول کے مقابلے میں ہزار منقطع و مرسل روایتیں بھی مردود ہیں، چاہے انھیں کسی نے مرسل جید ہی کیوں نہ کہہ رکھا ہو۔

جلالی صاحب اور فرقہ بریلویہ سے گزارش ہے کہ وہ اس روایت کی سند کو صحیح ثابت کریں، پھر اس پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھیں اور سیمیناروں میں بیان کرتے پھریں اور اگر ثابت نہ کر سکیں تو پھر اپنے گمراہ کن عقائد کے جواز کے لیے ایسی ضعیف روایات بیان کرنا چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جلالی کی ان ضعیف روایات کے مقابلے میں سلف صالحین نبی کریم ﷺ کی قبر کو کسی بھی غرض سے چھونا پسند نہیں کرتے تھے، جیسا کہ نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کی قبر کو چھونا پسند کرتے تھے۔

(جزء محمد بن عاصم الشافعی: ۲۷۷ سندہ حسن)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی قبر کو بطور تبرک یا کسی اور غرض سے چھونا پسند نہیں کرتے تھے۔

نیز سلف صالحین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی باسند صحیح ثابت نہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو تبرک یا کسی اور غرض سے چھوا ہو۔

لہذا ضعیف اور موضوع روایات کے ذریعے سے قبر پرستی کو فروغ دینا اور وہاں میلے لگانا کسی طرح بھی درست نہیں۔

[ختم شد]

امام عبدالرزاق اور فضیلتِ شیخین علیہ السلام

مصنف عبدالرزاق اور تفسیر عبدالرزاق کے مصنف امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی
الیمنی رحمہ اللہ (م ۲۱۱ھ) نے فرمایا:

”واللہ! ما انشرح صدري قط أن أفضل علياً علي أبي بكر وعمر، رحم الله أبابكر
ورحم الله عمر، ورحم الله عثمان ورحم الله علياً ومن لم يحبهم فما هو
بمؤمن فإن أوثق عملي حبي إياهم رضوان الله عليهم ورحمته أجمعين“
اللہ کی قسم! میرے دل میں کبھی علی کو ابوبکر اور عمر پر فضیلت دینے پر اطمینان نہیں ہوا، اللہ ابوبکر
پر رحم کرے، اللہ عمر پر رحم کرے، اللہ عثمان پر رحم کرے، اللہ علی پر رحم کرے اور جو ان سب
سے محبت نہیں کرتا وہ مومن نہیں۔ میرا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ میں ان سے محبت کرتا
ہوں، اللہ ان سے راضی ہو اور ان سب پر اللہ کی رحمت ہو۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر
۱۳۰، ۱۳۱، وسندہ صحیح، کتاب العلل ومعرفة الرجال لعبد اللہ بن احمد بن حنبل ۲۵۶/۱، ۱۴۶۵، وسندہ صحیح)

اس سنہری قول سے معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق (اثنا عشری جعفری) شیعہ نہیں تھے بلکہ
انہوں نے تشیع یسیر سے بھی رجوع کر لیا تھا کیونکہ اس قول میں وہ چاروں خلفائے راشدین
کی ترتیب اور ان سے محبت کے قائل ہیں۔

جو شخص اس سنہری قول کے باوجود عبدالرزاق کو شیعہ شیعہ کہنے کی رٹ لگاتا ہے اس کا
علاج کسی دماغی ہسپتال سے کرانا چاہئے۔

نیز امام عبدالرزاق نے مزید فرمایا: میں شیخین (سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا قائل
ہوں کیونکہ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے آپ پر فضیلت دی ہے۔ الخ

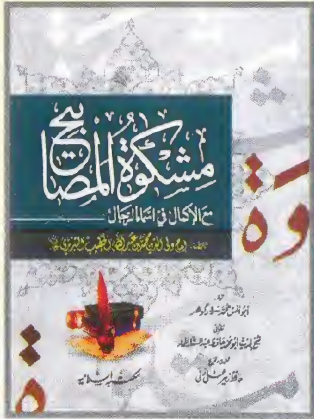
(الکامل لابن عدی ۱۹۴۹/۵، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۵۴۰/۶)

تفصیل کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۱ ص ۳۰۹-۳۱۱)

Monthly AlHadith Hazro

ہمارا عزم

- ✽ قرآن و حدیث اور اجماع کی برتری
 - ✽ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
 - ✽ صحیح و حسن روایات سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب
 - ✽ سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
 - ✽ علمی، تحقیقی و معلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
 - ✽ مخالفین کتاب و سنت اور اہل باطل پر علم و متانت کے ساتھ بہترین و بادل لکھ رد
 - ✽ دین اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
 - ✽ قرآن و حدیث کے ذریعے اتحاد امت کی طرف دعوت
- قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ”الحیث“ حضور کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ اور مفید مشورے کا قدر و شکر



تألیف: (ابن قیوم) ابن قیوم بن عبد الرحمن بن عبد البر بن علی بن یوسف

ترجمہ: ابو انس محمد سرور گوہر
تقریباً: شیخ الحدیث ابو محمد حافظ عبدالستار الخوار
تحقیق و تصحیح: حافظ زبیر عثمانی

مشکوٰۃ المصابیح
مع الإكمال فی اسماء الرجال

نمایاں خصوصیات

- ★ صحت و سقم کے اعتبار سے روایات پر حکم
- ★ مختصر مگر جامع تخریج
- ★ آسان فہم ترجمہ
- ★ تین جلد میں دو مختلف ایڈیشن
- ★ پہلی بار الإكمال فی اسماء الرجال کا مکمل ترجمہ اور تحقیق

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سڑک اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042, 37244973, 37232369
بیسمنٹ سٹریٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوٹوالی روڈ، فیصل آباد پاکستان فون: 041-2631204, 2034256



www.maktabahtulhadith.com
www.facebook.com/maktabahtulhadith
maktabahtulhadith@gmail.com
alhadith_hazro2006@yahoo.com